قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

جلد: ۷۰ شمارہ: ۷

رجب المرجب ۱۴۲۸ھ اگست ۲۰۰۷ء

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے

زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی

طابع: فیروز ذکی

مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

مدیر منتظم

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر

مولانا سعید احمد جلال پوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

ماہنامہ بینات کراچی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۴۹۲۷۲۳۳-۳۴ ایکسٹینشن: ۱۴۰

فون جامعہ: ۴۹۱۳۵۷۰_۴۱۲۱۱۵۲_۴۱۲۳۳۶۶

فیکس: ۴۹۱۹۵۳۱-۲۱-۹۲

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۰/امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۳/امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۰/امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن جمشید روڈ کراچی پاکستان

فہرست مضامین

بصائر وعبر

سانحہ لال مسجد مغربی ایجنڈے کی تکمیل	۳	سعید احمد جلال پوری

مقالات ومضامین

منصب نبوت کی اجمالی تشریح	۱۲	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور علماء دیوبند کا کردار	۲۵	محمد اقبال
لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے متعلق اعلامیہ	۳۵	ادارہ
قرآنی علوم کے متعلق علمائے امت کے قابل تحسین کارنامے	۳۹	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
شیخ القرآن اور چند فروعی اختلافی مسائل میں ترجیحی معیار	۴۵	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
ٹی وی چینلوں کا ''رنگین اسلام''	۵۲	محمد عمر انور
علمائے کرام کو ''مولانا'' کہنا	۵۷	مولانا محمد اعجاز

دار الافتاء

غیر عالم دین کا درس قرآن دینا	۶۲	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

نقد ونظر

	۶۷	ادارہ

سانحہ لال مسجد مغربی ایجنڈے کی تکمیل!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی!

جدھر دیکھیں اور جس طرف نگاہ اٹھائیں، وہاں اسلام، مسلمان، اسلامی شعائر اور مسلمانوں کی مقدس شخصیات، اپنوں اور غیروں کی تلواروں کی زد میں ہیں، اور دنیا جہاں کی توپوں کا رخ اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہے۔

ہر شخص آتش نمرود کو ہوا دینے میں مصروف ہے، مگر اے کاش! اس کو بجھانے یا ٹھنڈا کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں، ایک طرف اگر اسلام دشمن قوتوں کا اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اتحاد، اتفاق اور ایکا قابل دید ہے، تو دوسری طرف مسلمانوں کا اختلاف، افتراق اور تشتت وانتشار لائق صد ماتم ہے۔

جہاں مغرب نے اسلام دشمنی کی تحریک کو کمال مہارت سے پروان چڑھایا ہے، وہاں مسلمانوں نے دفاع اسلام کے اہم فریضہ اور مقصد حیات کو نہایت بے توجہی اور بے اعتنائی سے پس پشت ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ سیکولر مغرب تو اپنی اسلام دشمن روش کو نہیں چھوڑ سکی، لیکن اس کے برعکس نام نہاد مسلم حکومتیں، اربابِ اقتدار اور مسلمان، روشن خیال کہلانے کے شوق میں، اپنے دین و مذہب اور ملک وملت کے مفادات، اور مقدس شخصیات کی عزت و ناموس اور شعائر اسلام کے تحفظ سے یکسر دامن کش ہوگئے، جب تک مغرب کو اسلام، مسلمانوں اور ان کی مقدس شخصیات کی توہین وتنقیص پر کسی شدید ردِعمل کا اندیشہ اور خدشہ رہا، وہ ہلکے پھلکے انداز میں مسلمانوں کے جذبات مجروح کرتی اور پھر برائے نام معافی تلافی کر کے ان کے اعصاب کمزور کرتی رہی، لیکن اس طرح کی مسلسل کارروائیوں سے جب اسے یقین ہوگیا کہ اب مسلمانوں کے اعصاب ٹوٹ چکے ہیں، ان میں دفاع کی قوت نہیں رہی، یا کمزور پڑگئی ہے اور وہ بھی ہماری طرح اب مذہب کو فرد کا انفرادی

اور ذاتی معاملہ سمجھنے لگے ہیں' تو اس نے کھل کر اسلام اور شعائر اسلام کے خلاف میدان سنبھال لیا' اور آ نے ان اسلام شعائر اسلام اور مسلمانوں کی مقدس شخصیات کی توہین وتنقیص کرنے میں مصروف ہوگئی۔

مسلمانوں نے جب آسانی سے اس کو برداشت کرلیا اور مغرب نے بہ حسن وخوبی یہ معرکہ سر کرلیا' تو اس نے دو قدم آگے بڑھ کر براہ راست مسلمان ممالک پر چڑھائی کردی' اپنی قوت وشوکت کی دھاک بٹھانے کے لئے فلسطین اور دنیائے عرب کے وسط میں اسرائیل کے نام سے یہودی حکومت قائم کرائی' الجزائر' کوسووا اور بوسنیا کی مسلم آبادیوں کو تہہ تیغ کیا گیا' لاکھوں انسانوں کو راتوں رات موت کے گھاٹ اتارا گیا' انڈونیشیا میں مشرقی تیمور کے نام سے عیسائی اسٹیٹ قائم کی گئی' افغانستان پر چڑھائی کی گئی' وہاں کی مسلم حکومت کو تاراج کیا گیا' لاکھوں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا گیا' اگلے مرحلہ میں عراق پر قبضہ کیا گیا' عراقی صدر کو پھانسی پر لٹکا کر مسلم دنیا کو حکم عدولی یا مغرب کی مخالفت پر اس جیسے بھیانک انجام سے دوچار ہونے کی دھمکی دی گئی' اور مزید مسلم ممالک مثلاً: ایران' شام اور پاکستان کو بھی اسی قسم کے انجام کے لئے تیار رہنے کے اشارے دیئے گئے' تب ''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق ''مسلم حکمرانوں'' نے بھی انقیاد وتسلیم کا اعلان کردیا' مگر افسوس کہ مغرب نے اس پر بھی قناعت نہ کی' بلکہ مسلمانوں کو دہشت گرد' تشدد پسند' مجرم اور انتہا پسند باور کرایا گیا اور مسلم حکمرانوں کو ایسے ''مجرموں' دہشت گردوں'' اور ''تشدد پسندوں'' کے خلاف گھیرا تنگ کرنے' ان کو مغرب اور خصوصاً امریکا کے حوالے کرنے کا حکم شاہی صادر کیا گیا' یوں افغانستان' عراق' عرب اور پاکستان کے ''دہشت گردوں'' سے بدنام زمانہ پل چرخی' قلعہ جنگی' ابوغریب جیل اور گوانتاناموبے کے عقوبت خانے بھرنے لگے' دوسری جانب مسلمانوں کی دینی' مذہبی' جہادی اور رفاہی تنظیموں پر پابندی عائد کرائی گئی' مگر سیکولر مغرب کی عداوتِ اسلام کی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی' اور وہ ''مسلمان حکمرانوں'' کے کردار سے مطمئن نہ ہوئی' تو اس نے توہین رسالت پر مبنی خاکے بنوائے' ان کو اخبارات ومیڈیا پر اچھالا اور مسلمانوں کی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا امتحان لیا' جب دنیا بھر کے مسلمانوں' خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے پناہ محبت وعقیدت اور جذباتی وابستگی کا ثبوت دیا تو مغرب کی آتش انتقام مزید بھڑک اٹھی اور اس نے اپنے ''نمائندوں'' سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کی محبت وعقیدت کے محور ومراکز پر حملے کئے جائیں' یوں پاکستان میں نافذ قانون توہین رسالت کو متنازعہ بنایا گیا' اس کے طریقہ کار میں ترمیم کی گئی' حدود آرڈی نینس کو منسوخ ومعطل کیا گیا' اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی ترمیم کی منسوخی کو ایجنڈے میں شامل کرایا گیا' اس پر بھی مسلمانوں کی قوت دفاع کمزور نہیں ہوئی' تو مسلمانوں کے عبادت خانوں' مساجد اور مدارس کے انہدام اور بلڈوز کرنے کے احکامات صادر کرائے گئے۔

دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے منصوبے بنوائے گئے' ان کے نصاب میں تبدیلی پر زور دیا گیا'

مدرسہ بورڈ اور ماڈل مدارس کے شوشے چھڑوائے گئے' بلکہ دینی مدارس کو نابود یا کمزور کرنے کے لئے بالفعل ماڈل مدارس جاری کئے گئے' دینی مدارس کی کردارکشی کی گئی' دینی مدارس کو دہشت گرد باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا' اہل علم' علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کو تشدد پسند اور دہشت گرد باور کرانے کے لئے پوری قوت صرف کی گئی' اور دینی مدارس و مراکز پر بمباری کی گئی' وزیرستان پر آپریشن کے نام پر چڑھائی کی گئی' اسی طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو شریعت کے خلاف اکسایا گیا' اس کے ساتھ ساتھ خالص علمی و تحقیقی کام کرنے والے علماء و صلحاء کے پاک' پاکیزہ اور مقدس خون سے زمین رنگین کی گئی' ان کو خاک و خون میں تڑپایا گیا' چنانچہ مولانا حبیب اللہ مختار' مولانا مفتی عبدالسمیع' مولانا محمد یوسف لدھیانوی' مولانا مفتی نظام الدین شامزی' مولانا مفتی محمد جمیل خان' مولانا نذیر احمد تونسوی' مولانا محمد عبداللہ اسلام آباد' شیخ الحدیث مولانا عنایت اللہ' مولانا مفتی محمد اقبال' مولانا حمید الرحمٰن عباسی' مولانا اعظم طارق اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ بیسیوں علماء' صلحاء کو شہید کیا گیا' اس کے علاوہ سانحہ نشتر پارک میں بیسیوں علماء اور عوام کو خاک و خون میں تڑپایا گیا' جبکہ مسلمانوں کی قوت و شوکت کو ختم کرنے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی گئی' غرض مسلمانوں اور دین داروں کو ہر اعتبار سے مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس کے علاوہ کہیں تسلیمہ نسرین جیسی حیا باختہ خاتون کو مسلمانوں کی مقدس شخصیات پر زبان طعن بلند کرنے کے لئے مامور کیا گیا' کہیں یوسف کذاب' کو اس کام کے لئے نامزد کیا گیا' کہیں ملعون سلمان رشدی اور اس کی بدنام زمانہ ہفوات ''شیطانی آیات'' کی سرپرستی کی گئی اور کہیں اس کی گستاخیوں پر اس کو ''سر'' کا خطاب دے کر مسلمانوں کے زخمی قلوب پر نمک پاشی کی گئی۔

غرض مغرب کی چیرہ دستیوں کی ایک طویل داستان اور لامتناہی سلسلہ ہے' سمجھ نہیں آتا کہ کس کا ذکر کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے؟ دیکھا جائے تو ان تمام کا مقصد صرف اور صرف یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو ذہنی' قلبی کوفت اور کرب و اذیت میں مبتلا کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو جس قدر تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے' اسلام دشمن اتنا ہی فرحت و خوشی محسوس کرتے ہیں۔

....

غالباً اس سب کچھ کے باوجود بھی مغرب' مسلمان حکمرانوں سے صحیح معنی میں خوش اور راضی نہیں ہوئی' یقیناً اس کی خواہش اور چاہت ہوگی کہ کسی طرح مسلمان' ان کے علماء' ان کے دینی مراکز' مدارس ان میں پڑھانے والے اساتذہ' معلمات' طلبہ اور طالبات بدنام ہوجائیں اور لوگ ان سے متنفر ہوجائیں' ان پر سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھ جائے اور دین' دینی مدارس کا نصاب' اس کے اساتذہ' طلبہ اور طالبات نشان نفرت بن جائیں۔ بلاشبہ شروع دن سے ہی اس کی یہی خواہش اور کوشش رہی ہے' مگر بحمد للہ! آج تک وہ اس میں کامیاب

نہیں ہوسکی، لیکن جب مغرب نے دیکھا کہ مسلمانوں کو مشتعل کرنے اوران کوطیش دلانے کی اس کی کوئی کوشش و سعی کامیاب نہیں ہوئی، تو اس نے اپنے مہروں کو مدارس و مساجد کے خلاف راست اقدام کا حکم دیا' چنانچہ مسلمانوں کے ملک' مسلمان آبادی کے شہراور پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں دن دہاڑے قانونی طور پر قائم کی گئی' مساجد کو ڈھا کر مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی' اس پر جہاں پاکستان بھر کے مسلمانوں' دین داروں اوراہلِ علم نے بھر پوراحتجاج کیااوراس کی شدید مذمت کی' وہاں اسلام آباد کی لال مسجد اور مدرسہ حفصہ للبنات کے خطیب و مہتمم مولانا عبدالعزیز اوران کے نائب مولانا عبدالرشید غازی اور دوسرے علماء نے بھی احتجاج کیااورمطالبہ کیا کہ گرائی جانے والی چھ مساجد کو دوبارہ تعمیر کیا جائے اوراس کی یقین دہانی کرائی جائے کہ آئندہ کسی مسجد کونہیں گرایا جائے گا' اس پرحکومت نے ٹال مٹول اور لیت ولعل سے کام لیا تو ان حضرات نے لال مسجداور مدرسہ حفصہ سے ملحق چلڈرن لائبریری پر قبضہ کرلیا' گویاانہوں نے لائبریری کے قبضہ کواپنے جائز مطالبات منوانے کے لئے ایک سبب اور ذریعہ کےطور پر استعمال کرنے کی کوشش کی۔

اگر چہ ملک بھر کے سرکردہ علماء کرام' وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذمہ داران' مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی کے اساتذہ اورمشائخ نے ان کے احتجاج کے اس انداز اور روش سے اختلاف کیا اور ان کومتعدد بار سمجھایا کہ یہ طریقہ کار آپ کے لئے' آپ کے مدرسہ' طلباء' طالبات واساتذہ اور ملک بھر کے دینی مدارس کے لئے نقصان دہ ہے اوراس سے آپ کو' آپ کے مدرسہ اور آپ کی تحریک کونقصان ہوگا' اوراس کا سارا فائدہ اسلام دشمنوں کو ہوگا اور جولوگ دین' دینی مدارس اور علماء دشمنی میں ادھار کھائے بیٹھے ہیں' آپ کے اس عمل کو جواز بنا کر دینی مدارس' علماء' طلبہ' طالبات اوراہلِ دین کو ہدف تنقید بنائیں گے' اور جو دین دشمن آج تک دینی مدارس' طلبہ اورعلماء کو دہشت گرد کہتے آرہے تھے اوران کے پاس اس اتہام والزام کا کوئی ثبوت نہیں تھا' آپ کے اس طرز عمل سے ان کو ثبوت مہیا ہو جائیں گے اور دین دشمن خصوصاً مدارس دشمن اس کو جواز بنا کر آپ کے مدرسہ پر چڑھائی بھی کر سکتے ہیں' مگر نامعلوم ان حضرات پر اپنے اکابر واساتذہ کی فہمائش اور دل سوزی کا اثر کیوں نہ ہوا؟ شاید اس لئے کہ وہ سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان حکومت اور مسلمان فوج اپنے ہی مسلمانوں کے خلاف اس قدر انتہائی اقدامات کی طرف نہیں جائے گی۔

ہمارا وجدان کہتا ہے کہ وہ حضرات اپنی جگہ مخلص تھے اورانہوں نے جو کچھ کیا' اللہ کے لئے کیا تھا' مگر ان کے ''مشیروں'' میں سے کچھ بدبخت خیر خواہی کے عنوان سے بدخواہی کرنا چاہتے تھے' اس لئے انہیں بدبختوں میں سے کچھ ''بڑوں'' کی ان کو آشیرباد یا تعاون کا پورا پورا یقین تھا کہ ان کے خلاف ایسا کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا' دوسری طرف غالباً کچھ حکومتی اہل کاروں کے بچے اور بچیاں بھی اس مدرسہ میں زیر تعلیم تھے اور وہ بھی براہ راست ان سے رابطہ میں تھے' اس لئے ان کوایسے کسی خطرہ کا احساس نہیں ہونے دیا گیا۔

پھر جب لال مسجد و مدرسہ حفصہ للبنات کے ذمہ داران کو کچھ لوگوں نے علاقہ میں چلنے والے زنا کاری اور بدکاری کے اڈوں کی شکایت کی اور وہاں کسی ایسی خاتون کی نشاندہی بھی ہوئی، جو اس قسم کا کوئی اڈا چلاتی تھی، چنانچہ انہوں نے اپنے تئیں خلوص و اخلاص سے اس کی روک تھام کے لئے اپنے کارکنان کے ذریعہ اس کو مدرسہ بلا کر اس کی فہمائش کی، تاہم تنبیہ کے بعد اس کو چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح کچھ لوگوں کو فحش کیسٹوں اور سی ڈیز کے کاروبار سے بھی منع کیا اور مردوں کا مساج کرنے والی چینی خواتین کو بھی اس غلیظ کام سے منع کیا، مگر چونکہ اس پورے عرصہ میں حکومت اور اس کی ایجنسیاں منقار زیر پر رہیں، تو ان کے حوصلے مزید بڑھتے چلے گئے، علماء کرام اور خصوصاً وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ارباب حل وعقد نے جب دیکھا کہ وہ اپنے طرز عمل سے باز آنے اور اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں، تو انہوں نے تنبیہاً جامعہ فریدیہ اور مدرسہ حفصہ کا وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے الحاق ختم کر دیا، مگر افسوس! کہ وہ حضرات حکومت کی اس خفیہ چال کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اب سمجھ میں آتا ہے کہ حکومت اور ایجنسیوں کا چھ ماہ تک منقار زیر پر رہنا یا خاموش رہنا صرف اور صرف اس لئے تھا کہ ان کے خلاف انتہائی اقدام کا جواز پیدا کر کے رائے عامہ کو ہموار کیا جاسکے، نیز اپنے بیرونی آقاؤں کو باور کرایا جاسکے کہ یہ لوگ اس قدر خطرناک تھے کہ ان کی سرکوبی کے لئے چھ ماہ کا عرصہ لگ گیا۔

بہر حال ان حضرات نے گرائی گئی مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ مطالبات بھی کئے کہ حکومت ملک سے عریانی، فحاشی کا سد باب کرے اور نفاذ شریعت کا اعلان کرے۔

بلاشبہ ان کے یہ مطالبات اپنی جگہ سو فیصد صحیح، درست، بجا اور ہر مسلمان کے دل کی آواز تھے، مگر انہوں نے جو طریقہ کار اختیار کر رکھا تھا، اس سے علماء کو اختلاف تھا۔ اس لئے کہ دو اور دو چار کی طرح یہ واضح تھا کہ ایک معمولی چلڈرن لائبریری کے قبضہ سے مجبور ہو کر، مذہب بیزار حکومت، ان کے یہ مطالبات کیونکر مان سکتی تھی؟

اخباری اطلاعات، میڈیا رپورٹوں اور تجزیوں کے مطالعہ سے لگتا ہے کہ چیف جسٹس کے خلاف دائر ریفرنس میں جھوٹ ثابت ہونے، لندن میں منعقد ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس کے ایشو کو دبانے اور اسے غیر موثر بنانے یا ان سے توجہ ہٹانے اور مغربی دنیا میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لئے حکومت نے لال مسجد کا ایشو کھڑا کر کے اس پر چڑھائی کی منصوبہ بندی کی تھی، اس آپریشن کے نام پر جس قدر خون ریزی ہوئی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اگر حکومت کو ذرہ بھر ملک وملت سے خیر خواہی ہوتی تو وہ ان نہتے شہریوں، معصوم طلبہ طالبات اور جائز وشرعی مطالبہ کرنے والی اس مٹھی بھر جماعت پر اس طرح چڑھائی نہ کرتی اور نہ ہی انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتی۔

۹/ جولائی تک کی اخباری اطلاعات اور سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ہماری بہادر فورس کے ہاتھوں ۳۰ سے زائد افراد خاک وخون میں تڑپائے جاچکے تھے، جبکہ لال مسجد کے ذمہ داران کی اطلاع کے مطابق صرف

ایک رات کے آپریشن میں ساڑھے تین سو طالبات جام شہادت نوش کر چکی ہیں۔

اس ساری صورت حال کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اس معرکہ ”حق و باطل“ کی وجہ سے دنیا بھر میں دین‘ اہل دین‘ علماء‘ طلباء‘ طالبات اور مدارس و مساجد کو بُری طرح ہدف تنقید و ملامت بنایا جا رہا ہے‘ بہر حال مولانا عبدالعزیز کے شریعت یا شہادت کے نعرہ کے باوجود آپریشن کے دوران برقع پہنا کر مسجد سے نکالنا‘ پھر ان کا دھرلیا جانا اور برقع اور حجاب کی توہین و تنقیص اور موصوف کی میڈیا پر تذلیل کرنا بھی اسی سازش اور طے شدہ منصوبہ کا حصہ لگتا ہے‘ ورنہ ایک معمولی عقل و فہم کا انسان بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ مولانا عبدالعزیز جیسا مضبوط اعصاب کا انسان اس قدر جلدی کیونکر باہر آ گیا؟ چنانچہ بعد کی اخباری اطلاعات اور ان کی اہلیہ ام حسان کے بیان کی روشنی میں ان کو کسی ”بڑے“ کے اعتماد و یقین دہانی کے بعد باہر نکلنے پر آمادہ کیا گیا تھا‘ جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ اگر وہ فرار ہو رہے ہوتے تو اپنی بیوی اور معصوم بچیوں کو محاصرہ میں چھوڑ کر اکیلے باہر نہ آتے؟ چونکہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا تھا‘ اس لئے جیسے ہی وہ باہر آئے تو ان کو پکڑ کر طے شدہ منصوبے کے مطابق نہ صرف ان کی توہین و تذلیل کی گئی بلکہ ملا‘ مولوی‘ داڑھی‘ دین و شریعت‘ حجاب اور برقع کا خوب مذاق اور تمسخر اڑایا گیا۔

بہر حال اس تکلیف دہ صورت حال کو اب ایک ہفتہ ہو چکا ہے‘ لیکن جہاں حکومت اور فوج لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کے معصوم طلبہ‘ یتیم بچوں اور بچیوں کو فتح کرنے پر تلی ہوئی ہے‘ وہاں مدرسہ اور مسجد میں محصور مٹھی بھر طلبہ‘ طالبات اور ان کے اساتذہ بھی اس پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں محفوظ راہ داری دی جائے اور ہمیں مولانا عبدالعزیز اور سرنڈر ہونے والے دوسرے طلبہ کی طرح ذلیل نہ کیا جائے‘ مگر افسوس! کہ حکومت‘ اس کی ایجنسیاں اور فوج‘ ان کو ایسی کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔

اس پر پاکستان بھر کے مذہبی و سیاسی علماء کرام نے بیک زبان یہ مطالبہ کیا ہے کہ اگر حکومت‘ قومی اور ملکی مجرموں کو عام معافی دے کر ان کو چھوٹ دے سکتی ہے‘ بلکہ ان کو اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز کر سکتی ہے‘ تو ایسے لوگوں کو وہ کیوں معاف نہیں کر سکتی‘ جن کا صرف اور صرف یہ جرم ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مساجد و مدارس کو نہ گرایا جائے اور گرائی گئی مساجد و مدارس کو دوبارہ تعمیر کیا جائے‘ آئندہ کے لئے یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ مساجد نہیں گرائی جائیں گی‘ ملک عزیز سے عریانی و فحاشی‘ زناکاری کے اڈے ختم کئے جائیں اور نفاذ شریعت کیا جائے۔

بہر حال یہ تسلیم! کہ لال مسجد اور مدرسہ حفصہ والوں کا انداز اور طرز عمل ٹھیک نہیں تھا‘ لیکن ان کے مطالبات اپنی جگہ بالکل بجا‘ صحیح اور درست تھے‘ تو ان کے ساتھ چوروں‘ ڈاکوؤں‘ لٹیروں‘ غداروں اور ملک و ملت دشمنوں کا سا سلوک کرنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟

اب بھی وقت ہے حکومت اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرے اور اس خون خرابہ سے باز آ جائے اور مدارس

دشمنی کی پالیسی ترک کردے ورنہ اس کے نتائج نہایت بھیانک اور خطرناک ہوں گے۔ یہ بات اپنی جگہ سو فیصد صحیح ہے کہ اس ساری صورتحال سے امریکا اور اس کے اتحادی خوش ہوئے ہیں اور ہماری حکومت اور جناب پرویز مشرف کا مغرب میں مورال بلند ہوگیا ہے، لیکن حکومت اور فوج کے اس طرز عمل سے دنیا بھر کے مسلمان اور دین دار برادری نہایت کرب واذیت میں مبتلا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ بھی مغرب کے اس ایجنڈے کا حصہ ہے جس کی تکمیل کی خاطر عراق، افغانستان، کوسوو، بوسنیا، الجزائر اور فلسطین کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور مسلمانوں کے شعائر اور مقدس شخصیات کی توہین وتنقیص کی گئی ہے، جس کی خاطر توہین رسالت پر مشتمل خاکے بنائے گئے، تسلیمہ نسرین اور رشدی ایسے ملعون کو نوازا گیا اور مسلمان علماء وصلحاء کے خون سے زمین رنگین کی گئی، تاہم ظلم، ظلم ہے اور ظلم کی سیاہ رات ہمیشہ نہیں رہتی، ایک نہ ایک دن حق وسچ اور عدل وانصاف کا سویرا ہوگا تو کسی ظالم کو کہیں کسی تاریکی میں پناہ نہیں ملے گی۔

....

۹/ جولائی کی صبح کو ہم نے یہاں تک لکھا اور پُر امید تھے کہ انشاء اللہ کوئی بیچ کی راہ نکل آئے گی اور ہماری حکومت علماء، طلبہ اور طالبات کو خون میں نہلانے اور اپنے ہی شہریوں کو فتح کرنے، ان کو کیڑوں، مکوڑوں کی طرح پاؤں تلے روندنے اور مسجد ومدرسہ کے تقدس کو پامال کرنے کی ناپاک جسارت نہیں کرے گی۔

دوسری طرف ہم اس لئے بھی مطمئن تھے کہ ملک بھر کے مقتدر علماء کرام کا نمائندہ وفد اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اعلیٰ قیادت اس قضیہ کو سلجھانے کے لئے اسلام آباد میں موجود ہے، یقیناً وہ اس کا کوئی پُر امن اور پائیدار حل نکالنے میں کامیاب ہوجائے گی، چنانچہ وفاق المدارس العربیہ کے علماء کرام نے حالات کو سدھارنے اور قابل عمل حل نکالنے اور خون ریزی کو روکنے کے لئے اپنی بھرپور کوشش کی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوگئے، چنانچہ ان حضرات نے مسلم لیگ (ق) کے چوہدری شجاعت حسین، وزیر اعظم شوکت عزیز، وفاقی وزیر مذہبی امور اعجاز الحق کے ساتھ تفصیلی مذاکرات کے بعد ایک قابل عمل حل بھی نکال لیا تھا، جبکہ اس دوران مختلف مراحل میں وفاقی وزراء محمد علی درانی، طارق عظیم، نصیر خان، انجینئر امیر مقام اور کمانڈر خلیل بھی شریک رہے، چنانچہ وزیر اعظم شوکت عزیز کے ساتھ طویل ملاقات میں تقریباً تمام امور پر اصولی اتفاق رائے ہوگیا تھا۔

مگر افسوس! کہ جناب جنرل پرویز مشرف اور ان کے مشیروں کی انانیت، رعونت، تکبر، ہٹ دھرمی، علماء دشمنی اور مغرب خوشنودی اس کی راہ میں آڑے آگئی، یوں طے شدہ لائحہ عمل، اور امن منصوبہ نخوتِ اقتدار کی بھینٹ چڑھ گیا اور خیر خوبی سے حل ہونے والا قضیہ بدترین خونی معرکہ کی شکل اختیار کرگیا، اس موقع پر علماء کرام نے کیا سمجھ کیا؟ اور ان کی مساعی کو کب اور کس نے مسترد کیا؟ اس سلسلہ میں علماء نے جو کچھ کہا، اس کی تفصیلات روزنامہ

جنگ کراچی کے حوالے سے درج ذیل ہیں:

''اسلام آباد (نمائندہ جنگ' این این آئی) وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازی سے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری حکومت پر عائد کرتے ہوئے الزام عائد کیا ہے کہ اس حوالے سے وزراء غلط وجوہات بیان کررہے ہیں' سمجھوتے کے مسودے کو ایوان صدر میں تبدیل کردیا گیا' انہوں نے کہا کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد پر حکومت کی طرف سے طاقت کا استعمال ہٹ دھری کا نتیجہ ہے' ہم مزید خونریزی روکنے کے لئے جس جذبہ کے تحت یہاں آئے تھے' وہ مزید صدمے اور رنج وغم میں بدل گیا ہے' وزیراعظم کی موجودگی میں طے پانے والے متفقہ فارمولے کو مولانا عبدالرشید غازی نے قبول کرلیا تھا لیکن ایوان صدر سے دوسرا مسودہ لانا مذاکرات کی ناکامی کا سبب بنا' آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے آج (بدھ) کو راولپنڈی میں وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا ہے' دریں اثناء لال مسجد انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کے لئے جانے والے وفد میں شامل مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا ہے کہ حکومتی رویئے نے مایوس کیا' ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے' انہوں نے کہا کہ عبدالرشید غازی مصالحت پر راضی تھے' علماء اور وزراء کے درمیان معاہدے کے مسودے پر ایوان صدر میں تبدیلی کردی گئی' مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی نے کہا کہ لال مسجد آپریشن میں فریقین کی طرف سے جاں بحق ہونے والے افراد کو شہید قرار دیا جاسکتا ہے' اس کا انحصار ان کی نیت پر ہے' پارلیمنٹ لاجز میں صحافیوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی رفیع عثمانی نے کہا کہ دیکھنا ہوگا کہ لال مسجد کے اندر جاں بحق ہونے والوں کی نیت کیا ہے' اگر وہ اس نیت کے ساتھ لڑرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بچایا جائے' غیر اسلامی اقدام کو روکا جائے تو اس حوالہ سے رائے کا مختلف ہونا معنی نہیں رکھتا ہے' وہ شخص شہید ہے' اسی طرح سیکورٹی فورسز میں شامل اہلکاروں کی نیت کو دیکھنا ہوگا اگر وہ اس نیت کے ساتھ آپریشن میں شریک تھے کہ مسجد اور مدرسہ میں موجود لوگ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو شرعاً صحیح نہیں تو وہ شہید قرار پائیں گے' لیکن اگر وہ ملازم کے طور پر تنخواہ کے عوض کارروائی میں شریک تھے تو شہید نہیں ہوں گے' وہ جہنمی ہوں گے۔ تفصیلات کے مطابق منگل کو ایک مشترکہ پریس کانفرنس جس میں وفاق المدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان' نائب صدر ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر' رکن مجلس عاملہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی' ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری' مولانا مفتی محمد' مولانا قاری سعید الرحمٰن' مولانا حکیم محمد مظہر مہتمم جامعہ اشرف المدارس کراچی' مولانا مفتی عبدالحمید جامعہ اشرف المدارس' مولانا امداد اللہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی' قاضی عبدالرشید مہتمم دارالعلوم فاروقیہ' مولانا ظہور علوی مہتمم جامعہ محمدیہ اسلام آباد اور دیگر علماء کرام موجود تھے'انہوں نے کہا کہ حالات کے سنگینی کی طرف جانے سے روکنے کے لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ مولانا محمد سلیم اللہ خان اپنے رفقاء حضرت مولانا مفتی محمد رفیع' مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر' مولانا قاری محمد حنیف جالندھری' مولانا زاہد الراشدی' مولانا ڈاکٹر عادل خان' مولانا حکیم محمد مظہر' مولانا مفتی محمد نعیم اور دیگر علماء کرام کے ہمراہ ۹/ جولائی کو اسلام آباد پہنچے تاکہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف حکومتی آپریشن سے پیدا شدہ صورتحال پر حکومت سے بات چیت کی جاسکے اور مزید خونریزی کے امکانات کو روکتے ہوئے مسئلے کے پُرامن حل کا کوئی راستہ نکالا جاسکے' انہوں نے کہا کہ اس وفد نے پاکستان مسلم لیگ کے چوہدری شجاعت حسین' وزیر اعظم شوکت عزیز اور وفاقی وزیر مذہبی امور اعجاز الحق کے ساتھ تفصیلی گفتگو کی جبکہ اس گفتگو کے مختلف مراحل میں وفاقی وزراء محمد علی درانی' طارق عظیم' نصیر خان' انجینئر امیر مقام' کمانڈر خلیل بھی شریک رہے اور وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات میں تمام امور پر اصولی اتفاق رائے ہوگیا' ان طویل مذاکرات کے دوران لال مسجد و جامعہ حفصہ کے منتظم مولانا عبدالرشید غازی سے بھی ٹیلی فون پر تفصیلی گفتگو ہوتی رہی اور آخری مجلس میں مولانا عبدالرشید غازی کے اصرار پر ان کے نمائندہ کے طور پر مولانا فضل الرحمن خلیل کو بھی شامل کرلیا گیا' اس طویل گفتگو اور وزیر اعظم کے ساتھ اتفاق رائے کے بعد اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے چوہدری شجاعت حسین' محمد علی درانی' اعجاز الحق اور طارق عظیم کے ساتھ شام کو طویل ملاقات ہوئی اور ایک متفقہ فارمولا طے پایا جسے فون پر مولانا عبدالرشید غازی کو بھی سنادیا گیا اور انہوں نے بھی اتفاق کرلیا' انہوں نے کہا کہ اس مصالحتی فارمولے پر فریقین کے اتفاق کے بعد' جب دستخط کرنے کا مرحلہ آیا تو چوہدری شجاعت حسین اور ان کے رفقاء نے کہا کہ اس کی حتمی منظوری کے لئے اسے ایوان صدر لے جانا ضروری ہے' ہمیں اس پر تعجب ہوا کیونکہ اس مصالحتی فارمولے کو ان بنیادی نکات کی روشنی میں تحریر کیا گیا جو آج ہی وزیر اعظم کے ساتھ طویل مجلس میں اصولی طور پر طے کئے گئے تھے اور اب چوہدری شجاعت حسین اور ان کے رفقاء کے اتفاق سے مشترکہ طور پر لکھے گئے تھے' بہرحال وہ حضرات ایوان صدر چلے گئے اور کم وبیش دو گھنٹے کے بعد واپس آئے تو ان کے پاس ایک نیا فارمولا تھا جس میں سابقہ فارمولے کی بنیادی باتوں کو جن پر ہم نے مولانا عبدالرشید غازی کو بمشکل تیار کیا تھا' تبدیل کردیا گیا تھا اور انہوں نے آتے ہی یہ کہہ دیا کہ اب اس میں ردوبدل نہیں ہوسکتا' یہ حتمی بات ہے' جس کا ''ہاں'' یا ''نہ'' میں جواب مطلوب ہے اور ہمارے پاس اس مقصد کے لئے صرف نصف

گھنٹہ ہے‘ اس کے بعد ہم اس کے لئے مزید وقت نہیں دے سکتے‘ یہ نیا فارمولا عبدالرشید غازی کو فون پر سنایا گیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا‘ جس کے بعد مزید کوئی بات جاری رہنے کا امکان نہیں تھا‘ انہوں نے کہا کہ متفقہ فارمولا میں تحریر تھا کہ مولانا عبدالرشید غازی کو ان کے خاندان اور ذاتی سامان سمیت ان کے گاؤں کے گھر میں بحفاظت منتقل کردیا جائے گا‘ لیکن نئی تحریر میں جو الفاظ درج کئے گئے ان کا مطلب کسی گھر میں ان کی منتقلی اور ان کے خلاف کارروائی تھا‘ متفقہ فارمولا میں یہ طے پایا تھا کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں موجود طلبہ اور دیگر افراد جو مولانا عبدالرشید غازی کے ہمراہ باہر آئیں گے تو محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد ان کے معاملات کی انکوائری کی جائے گی اور جو افراد جامعہ حفصہ کا تنازعہ شروع ہونے سے قبل کسی کیس میں مطلوب نہیں ہوں گے انہیں ان کے گھر بھجوادیا جائے گا جبکہ مطلوب افراد کے معاملات قانون کے مطابق عدالتوں کے ذریعے طے کئے جائیں گے مگر نئے فارمولا میں اسے تبدیل کردیا گیا‘ متفقہ فارمولا میں لکھا گیا تھا کہ عبدالرشید غازی کے الگ ہوجانے کے بعد لال مسجد کا انتظام محکمہ اوقاف اسلام آباد کے سپرد ہوگا اور جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو وفاق المدارس کے کنٹرول میں دے دیا جائے گا اور جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ سے متعلق قانونی معاملات اور لال مسجد کے انتظامی امور حکومت اور وفاق المدارس کے باہمی مشورے سے ہوں گے‘ اس شق کو بھی تبدیل کردیا گیا‘ چنانچہ بنیادی امور کی تبدیلی کے بعد وہ مصالحتی فارمولا جو حکومت اور وفاق المدارس کی مشترکہ مذاکراتی ٹیم کے درمیان باہمی اتفاق رائے سے طے کیا گیا تھا‘ چونکہ باقی نہیں رہا‘ اس لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے وفد کے لئے اس معاملے سے الگ ہوجانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا‘ اس کے بعد جو صورت حال پیش آئی ہے وہ پوری قوم کے سامنے ہے‘ ہمیں افسوس ہے کہ حکومت نے آخری مرحلہ میں ڈیڈلاک پیدا کرکے اور تبدیل شدہ فارمولا کا نصف گھنٹہ کے اندر ہاں یا نہ میں حتمی جواب دینے کا مطالبہ کرکے ہماری مصالحتی کوششوں کو ناکام بنادیا‘ اس سلسلے میں آئندہ لائحہ عمل کے تعین کے لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ مولانا سلیم اللہ خان نے مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس آج ۱۱/ جولائی کو صبح دس بجے راولپنڈی میں طلب کرلیا ہے‘ جس میں تبدیل شدہ صورت حال میں وفاق کا موقف اور پروگرام طے کیا جائے گا۔“ (روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۱/ جولائی ۲۰۰۷ء)

اخباری اطلاعات کے مطابق منگل کی صبح نماز فجر کے وقت شروع ہونے والے اس خونی معرکہ کی بدولت لال مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسہ حفصہ میں محصور قریب قریب تمام افراد شہید کردیئے گئے ہیں اور مولانا عبدالرشید غازی اور ان کی بوڑھی والدہ بھی جام شہادت نوش کرچکی ہیں۔ اس طرح سینکڑوں کی تعداد میں معصوم

طلبہ اور طالبات بھی نہایت مظلومیت اور بے بسی کی حالت میں دین وشریعت کا نام لینے کی پاداش میں جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کیا کہا جائے کہ ہمارے حکمران مسلمان ہیں؟ یا کافر؟ انسان ہیں یا درندے؟ کیا کوئی مسلمان یا انسان بھی ایسی سفا کانہ اور بے رحمانہ کارروائی کرسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ان اقتدار کی بچاریوں اور چنگیز کے جانشینوں کے ہاں انسانیت اور اس کے حقوق نام کی کوئی شئی نہیں ہے، دیکھا جائے تو ان کو انسانوں سے نہیں اقتدار سے محبت ہے، اگر یہ لوگ انسان ہوتے یا انہیں انسانیت کی عظمت کا پاس ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ ایک مسلمان کے خون کی عظمت کعبۃ اللہ سے بڑھ کر ہے اور ایک مسلمان کا ناحق قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔

اس خونی معرکہ میں کتنے لوگ شہید ہوئے؟ کتنے مرد، کتنی عورتیں اور کتنے معصوم بچے اپنے ملک کی بہادر فوج کی بے رحم گولیوں کا نشانہ بنے؟ ان میں کتنے تربیت یافتہ جنگجو تھے؟ کتنے پاکستانی اور کتنے غیر ملکی تھے؟ ان کے پاس کیسے مہلک ہتھیار تھے؟ اور انہوں نے کس قدر مزاحمت کی؟

تاحال اس کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ لال مسجد اور مدرسہ حفصہ میں صحافیوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ ہی ہسپتالوں میں کسی کو جانے کی اجازت ہے، شاید اس لئے کہ کہیں حکومت اور ایجنسیوں کے پروپیگنڈا کی قلعی نہ کھل جائے اور قوم کے سامنے اس آپریشن کے جواز کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

تاہم سماجی کارکن عبدالستار ایدھی کے مطابق حکومت نے پانچ سو کفن تیار کرنے کا کہا تھا، مگر میں نے ہزار کفن بنوائے ہیں، اور صورت حال بہت خراب ہے، انہوں نے کہا کہ لال مسجد کو بھیجی گئی تین سو چادریں کم پڑ گئیں اور ہلاک شدگان کی تعداد سینکڑوں میں ہوسکتی ہے، انہوں نے کہا کہ میتیں اٹھانے والے کارکنوں کے مطابق سینکڑوں میتیں پڑی ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین سانحہ ہے۔

بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ اس معرکہ خوں چکاں میں جام شہادت نوش کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، کیونکہ سرکاری اعداد وشمار بلکہ وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ کے مطابق لال مسجد اور مدرسہ حفصہ میں چار ساڑھے چار ہزار افراد تھے، جبکہ سرنڈر ہوکر آنے والے حکومت کے بقول پندرہ سو افراد تھے، سوال یہ ہے کہ باقی تین یا ساڑھے تین ہزار افراد کہاں گئے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ سب کے سب بھی خون میں نہلا دیئے گئے ہیں؟ اور ان کے پاک و پاکیزہ خون سے لال مسجد کے در و دیوار اور اس کے فرش کو لال کردیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے اور یقینا ایسا ہے تو حکومت وفوج کے بزرجمہروں کا یہ کہنا کہ اس آپریشن میں ساٹھ سے زائد افراد مارے گئے ہیں، کیونکر قابل تسلیم ہوگا؟

موجودہ صورتحال کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ موجودہ حکومت کو اپنے شہریوں سے ذرہ بھر کوئی تعلق ہے؟

بلا مبالغہ اگر انہیں انسانی جانوں اور مسلمانوں سے کچھ بھی ہمدردی ہوتی تو وہ یہ انتہائی ظالمانہ' سفاکانہ اور بہیمانہ قدم نہ اٹھاتی' کیا ارباب اقتدار سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ ان معصوموں کا خون کیوں بہایا گیا؟ کیا یہ ملک دشمن تھے؟ کیا یہ ملک وملت دشمن سرگرمیوں میں مصروف تھے؟ کیا اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں مساجد کے انہدام کی روک تھام کا مطالبہ جرم ہے؟ کیا زنا کاری' فحاشی اور عیاشی کے اڈوں کی بندش کے لئے آواز اٹھانا خلاف قانون ہے؟ کیا نفاذ شریعت کا مطالبہ ملکی بغاوت ہے؟ کیا چلڈرن لائبریری پر قبضہ ایسی چیز تھی کہ اس سے اقتدار کی گاڑی رک گئی تھی؟ کیا اس آپریشن کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا؟ اگر جنوری سے جولائی تک کے عرصہ میں صرف اس لئے آپریشن نہیں کیا گیا کہ حکمت عملی کے خلاف تھا' تو اب اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ کیا اب ہزاروں معصوموں کا قتل حکمت عملی کے مطابق ہوگیا تھا؟ کیا یہ ملک اس لئے بنا تھا کہ اس میں اسلام کے پاسبانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جائے گا؟ کیا ہماری فوج کا یہی کام رہ گیا ہے کہ وہ مساجد و مدارس' علماء اور طلبہ پر گولیاں برسائے؟ کیا سرکاری خزانہ پر پلنے والے وزیروں' مشیروں کی فوج ظفر موج کا یہی مصرف ہے کہ وہ زانیوں' شرابیوں کا تحفظ کرے' اور جو ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے ان کو خاک خون میں تڑپائیں؟ کیا اس ملک میں رحم وکرم نام کی کوئی شے نہیں؟ کیا حقوق نسواں بل پاس کرنے والی حکومت کو ان معصوم بچیوں پر کوئی ترس نہیں آیا؟ جو برقعے میں ملبوس گھٹ کر شہید ہوگئیں اور درندوں نے انہیں مدرسہ حفصہ سے متصل پانی کے نالے میں پھینک دیا' کیا وہ خواتین نہیں تھیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات میں ہے تو ان یتیم ولاوارث طالبات کے کوئی حقوق نہیں تھے؟ اگر تھے تو حقوق نسواں کی دھائی دینے والے اس موقع پر کیوں خاموش ہیں؟

کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ایسے ''باغیوں'' کی بجلی' پانی اور گیس بند کردیا جاتا یا اعصاب شل کرنے والی گیس چھوڑ کر ان کو بے بس کیا جاتا اور وہ مجبور ہوکر خود ہی ہتھیار ڈال دیتے؟ اگر یہ سب کچھ ممکن تھا تو اس قتل عام کا کیا جواز تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جان بوجھ کر ان معصوموں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا؟ اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اپنے ''آقاؤں'' کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کی بارگاہ میں ''اچھا'' کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کردیا گیا؟ یا پھر مدارس' مساجد' علماء' طلبہ' طالبات اور برقع کو بدنام کرنے کے لئے یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا ہے؟ اگر نہیں تو اب تک ان سے چشم پوشی کیوں برتی گئی تھی؟ اور اب بہ عجلت تمام یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ یہ وہ سولات ہیں جو ہر انسان اور مسلمان کے ذہن میں ابھرتے ہیں اور ابھر کر ہلچل مچاتے ہیں مگر اضطراب اور پریشانی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔

شاید جناب صدر اور ان کے مشیران باتدبیر سمجھتے ہوں گے کہ وہ ان ''باغیوں'' کو ٹھکانے لگا کر مطمئن ہوجائیں گے' نہیں' ہرگز نہیں' بلکہ ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' یاد رکھئے! ان بے قصوروں' خصوصاً

معصوم بچوں اور خواتین کا بہنے والا خونِ ناحق، انہیں کبھی چین وسکون سے نہیں رہنے دے گا، اگر چہ بظاہر انہوں نے اپنے نام نہاد مخالفوں کو ٹھکانے لگا کر بیرونی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر لیا ہے، مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے میدانِ کربلا میں حضرت حسینؓ کے قافلہ کو شہید کرنے والے ایک ایک بدباطن سے بدلہ لیا اور تاریخ بتلاتی ہے کہ ان میں کا ایک ایک فرد اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب اور انتقام کا نشانہ بنا، ایسے ہی انشاء اللہ! خاندانِ نبوت کے ان روحانی جانشینوں کی مظلومیت ومقہوریت بھی رنگ لائے گی اور ان مظلوموں کے بے قصور بہنے والے مقدس خون کا انتقام لیا جائے گا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اربابِ اقتدار کے دن گنے جاچکے ہیں اور ان کے ظلم وستم کا باب بہت جلد بند ہونے والا ہے، بلکہ اب تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں ہم سے آزادی کی یہ نعمت سلب نہ کر لی جائے، کیونکہ ہم نے اور ہمارے بڑوں نے ''اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون'' اور ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ'' کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا، مگر افسوس کہ ہم اللہ سے کئے گئے اس وعدے سے مکر گئے، تو ہم سے ایک حصہ چھین لیا گیا، مگر اب جب باقی ماندہ حصہ میں بھی اسلام، شعائر اسلام، مساجد ومدارس، دین اور اہلِ دین کی توہین وتنقیص کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور علماء، طلبہ اور معصوم پردہ نشینوں کو خاک وخون پر تڑپایا جارہا ہے، تو اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے یہ باقی ماندہ حصہ بھی واپس نہ لے لیں۔

اے اللہ! ان معصوموں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما اور ان کے متعلقین کو صبرِ جمیل نصیب فرما اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچا۔ آمین۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب علماء، صلحاء، اربابِ مدارس اور خصوصاً وفاق المدارس کے اربابِ حل وعقد کو چاہئے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور آئندہ پیش آنے والے حالات، واقعات اور صورت حال کا ادراک کریں اور ان سے نمٹنے کے لئے کوئی موثر حکمتِ عملی طے کریں، ورنہ اندیشہ ہے کہ جن درندوں کے منہ کو علماء طلبہ اور طالبات کا خون لگ گیا ہے، وہ مزید دوسرے مدارس اور علماء کی طرف بھی بڑھنے کی کوشش کریں گے، لہٰذا اس کے لئے قبل از وقت پیش بندی کی شدید ضرورت ہے۔

بلاشبہ لال مسجد کا سانحہ پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے، ہمارے خیال میں ہماری حکومت اور فوج نے لال مسجد پر حملہ اور فائرنگ کر کے جلیانوالہ باغ اور مسجد شہید گنج کے موقع پر ہونے والی انگریزوں اور سکھوں کی فائرنگ کی تاریخ دہرا کر ثابت کر دیا ہے کہ انگریزوں اور سکھوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ''مسلمانوں کی سرکوبی'' کے لئے ان کے ''جانشین'' اب بھی موجود ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

منصبِ نبوت کی اجمالی تشریح

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

نبوت کی حقیقت

نبوت کی اصلی حقیقت تو اسی رب العزت قدوس وسبوح جل ذکرہ کو معلوم ہے جس نے نظام عالم کی ظاہری وباطنی اصلاح کے لئے اس ربانی عطیہ کی سنت عالم میں جاری کردی تھی یا پھر اس کو جو اس عطیۂ الٰہی سے سرفراز کیا گیا ہو' کسی اور پر اس کی پوری حقیقت کا روشن ہونا حقیقت سے بعید ہے' اس لئے کہ انسان کے پاس حقائقِ اشیاء کے معلوم کرنے کے لئے عقل ہے اور نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو عقل سے وراء الوراء ہے' عقل وعقلیات کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے' وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے' لیکن محققین اسلام اور اکابر امت نے قرآن کریم کی روشنی میں اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس زندگی کے آثار واحوال کے مشاہدہ وعلم کے بعد جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ یقیناً ایک حد تک اس حقیقتِ کبریٰ کی جلوہ نمائی کے لئے کافی ہیں اور ان کی عقولِ سلیمہ نے اس حقیقت کی تفہیم میں جو عقلی پیرائے اختیار کئے ہیں اور نظائر وشواہد سے اس کو سمجھایا ہے' وہ ہمارے ''علم کلام'' کا اہم ترین جزء ہیں' امام ابوالحسن اشعریؒ' ابن حزم ظاہری' قاضی ابوبکر باقلانیؒ' ابواسحاق اسفرائینیؒ' ابویعلیٰؒ' ابوالمعالیؒ' امام الحرمین عبدالکریم شہرستانیؒ' امام غزالیؒ' فخر الدین رازیؒ' سیف الدین آمدیؒ' ابن خلدون عز الدین عبد السلامؒ' ابن تیمیہؒ وغیرہ وغیرہ محققین اسلام نے تیسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک اس موضوع پر گرانمایہ علمی جواہرات کا ایک نادر ترین ذخیرہ چھوڑا ہے۔ محققینِ ہند اور متاخرین علماءِ اسلام میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دیوبندی کے اسمائے گرامی اس سلسلہ کی صف اول میں درج ہونے چاہئیں' اور سچ تو یہ ہے کہ اس موضوع پر جو جواہر پارے شاہ دہلی نے پیش کئے ہیں اس کی ہمسری کرنے کے لئے قدماء میں سوائے حجۃ الاسلام غزالی کوئی دوسری ہستی زیادہ نمایاں نظر نہیں آتی یا تو یہ واقعہ ہے یا ہماری نظر کا قصور ہوگا' یہ دوسری بات

ہے کہ ایک ہزار برس کی تحقیقات کا عطر ان کے سامنے موجود تھا اور ان کی تحقیقات کی تیز شعاعوں میں منزل مقصود کی رہنمائی آسان ہوگئی' تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے حقائق کی تفہیم وافہام کے لئے جس سرچشمہ کی ضرورت تھی' شاہ دہلی خود اس سے سرشار تھے۔ امام غزالیؒ کی کتابوں میں یہ بحث ''**المنقذ من الضلال**'' و ''**معارج القدس**'' میں سب سے عمدہ شکل میں موجود ہے' امام رازیؒ کی ''تفسیر کبیر'' و ''مطالب عالیہ'' میں کافی سامان ہے' شاہ دہلی نے چند کتابوں میں اس کی پوری تحلیل اور کامل تجزیہ کیا ہے۔ بالخصوص اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کی پہلی جلد کے مختلف ابواب میں نبوت کی حقیقت' منصب نبوت کی تشریح' نبوت کے خواص ولوازم' انبیاء و مصلحین کے فروق وغیرہ کو خوب واضح کیا ہے۔

امیر یمانی کی ''**ایثار الحق علی الخلق**'' میں اس موضوع میں کافی لمبی بحث موجود ہے' ابن تیمیہؒ کی اس موضوع پر ''**کتاب النبوات**'' تقریباً تین سو صفحات میں موجود ہے' لیکن حق یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ نے باوجود علمی تبحر وتدقیق اور باوجود جلیل القدر محقق ہونے کے اس موضوع کا حق نہیں ادا کیا۔ امام غزالیؒ کے چند صفحے اور شاہ دہلی کے چند ورق کو میں اس ساری کتاب پر ترجیح دیتا ہوں' چند ضمنی فوائد ونکات کے سوا اس میں کوئی اہم بات یا علمی تحقیق اس موضوع پر نہیں' جس کی ان سے توقع تھی۔ مجھے اس وقت نبوت کی عقلی تشریح کرنی منظور نہیں' کیونکہ اس کی تشریح سے پہلے ''روح'' کی حقیقت سمجھانی ہوگی جو بجائے خود ایک مستقل دقیق وغامض علمی مضمون ہے' جس میں ارسطو نے ''کتاب النفس'' لکھی ہے اور اس کی تلخیص وتراجم وشروح ثامسطیوس' لامقیدوروس' اسمبلیقوس' اسکندر افرودوسی' ابن بطریق وغیرہ وغیرہ نے کی ہیں۔

اسلامی دور میں ابوالعباس احمد سرخسی (المتوفی ۲۸۶ھ صدقۃ بن منجا الدمشقی ۲۶۰ھ مؤرخ مشہور مسعودی ۳۴۶ھ امام غزلی ۵۰۵ھ امام رازی ۶۰۶ھ ابن القیم ۷۵۲ برہان الدین بقاعی ۸۸۵ھ وغیرہ وغیرہ متکلمین اسلام اور علماء امت نے ''روح'' پر مستقل کتابیں لکھی ہیں' ان میں سے ''معارج القدس'' غزالی کی اور کتاب ''الروح'' ابن القیم کی اور ''سر الروح'' بقاعی کی اور ''کتاب الفتوح'' لمعرفۃ احوال الروح'' بعض علماء عصر کی اور الطاف القدس'' شاہ ولی اللہ کی ہمارے سامنے مطبوعہ موجود ہیں' کہنا یہ ہے کہ حقیقت نبوت کی تشریح کے لئے ''حقیقت روح'' بیان کرنا ضروری ہوگی۔ اس وقت ان غامض ودقیق علمی موضوعات کی طرف جانا نہیں اور نہ فیصلہ کرنا ہے۔ صرف اپنے سلف صالحین کے چند علمی کارناموں سے طلبہ کو واقف کرانا تھا' کوئی مشکل سے مشکل دقیق سے دقیق علمی موضوع اور خصوصاً جس کا تعلق دین اسلام سے ہوا ایسا نہیں ہوگا جس پر کہ ہمارے اکابر نے اپنی بیش بہا تحقیقات کا ذخیرہ جمع نہ کیا ہو۔ اس وقت مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ بتلایا جائے کہ ''نبی'' (پیغمبر) کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن کریم میں ''انبیاء'' اور ''نبوت'' کے کیا کیا خواص بتلائے گئے ہیں؟ تاکہ آیات بینات کی روشنی میں ایک مسلمان صحیح عقیدہ کو سمجھ سکے' اور جب کسی کی نبوت ثابت ہو جائے مسلمان

کے لئے اس نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور جی ایمان لایا گیا اس وقت ''نبی'' ایک امتی کے لئے ایک برگزیدہ مقدس واجب الاطاعت ہستی ہوگی۔ اس کے احکام' اس کی مرضیات' اس کے اوضاع واطوار' اس کے اخلاق وعادات' غرض کل نظام حیات میں اس کی سنت افراد امت میں سے ہر فرد کے لئے دلیل راہ ہوگی۔ پھر وہاں کیوں؟ اور کیوں کر؟ کا سلسلہ ہی ختم ہوجاتا ہے۔ سوائے تسلیم وانقیاد واطاعت وفرمانبرداری کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے' اس کی رضامندی خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے' اس لئے کہ خود حق تعالیٰ یوں ہی فرما چکے ہیں' جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہوجائے گا۔ ہاں عبادت بہرحال اللہ تعالیٰ کی ہوگی' رسول کی اطاعت سے اس کی عبادت لازم نہیں آتی' عبادت وبندگی اور چیز ہے' اطاعت وتسلیم اور چیز ہے' دونوں میں خلط نہ کرنا چاہئے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ رسول کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت وبندگی کی جائے' اب وہ رہنمائی مختلف صورتوں میں ہوگی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف صاف طور پر نسبت کرکے ارشاد فرمایا جائے گا' کبھی اپنی طرف سے کچھ ارشاد فرمائیں گے' گو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا' لیکن لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نہیں ہوگی' کبھی ان کے اتباع' ان کے طرز وطریقہ کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کریں گے۔ غرض کہ رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوں گے۔

نبی ورسول یا پیغمبر

لغت عرب میں ''نبأ'' اس خبر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو اور فائدہ بھی عظیم اور اس خبر سے سننے والے کو علم واطمینان بھی حاصل ہو۔ غرض کہ تین چیزیں اس میں ضروری ہوں:

۱-خبر فائدے کی ہو۔

۲- فائدہ بھی عظیم الشان ہو۔

۳- سننے والے کو یقین کامل یا اطمینانِ قلب حاصل ہوجائے۔

قرآن کریم نے اسی لغت سے ''نبی'' کا لفظ ایک ایسے انسان کے لئے استعمال کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فائدے اور نفع کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائیں' جن سے ان کی عقول قاصر ہیں' صرف اپنی عقل نارسا سے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوں گی اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم جب حاصل ہوسکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا صرف اس کی زندگی ہی اتنی پاکیزہ' اتنی اعلیٰ ومقدس ہو کہ اس پر جھوٹ کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکے' اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آجائے۔ اب صرف ''نبی'' کا لفظ ہی لغت عرب کے مطابق ان سب حقائق پر روشنی ڈالتا ہے' جس کی تفصیل وتحقیق کے لئے صفحات

بھی نا کافی ہیں' شیطانی وساوس یا طبعی جحود وعناد اگر قبول سے مانع آ جائے یہ دوسری بات ہے۔

رسالت

لغت عرب میں ''رسالت'' کے معنی: ایک پیغام کے ہیں اور ''رسول'' کہتے ہیں: پیغام پہنچانے والے کو۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو اس پیغام پہنچانے والے کے لئے استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ شانہ کی جانب سے دین ودنیا کے مصالح کے بارے میں پیغامات اس کے بندوں تک پہنچائے۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کی زبان میں ''نبی ورسول'' وہ سفیر ہے جس کا خود اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہو' خدائے تعالیٰ کے پیغامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہو' دین ودنیا کے مصالح ومنافع کے لئے ایک ''قانون حیات''' ایک ''نظام العمل'' ایک دستور اساسی'' پیش کرتا ہو' ایسے احکام' ایسے حقائق' ایسے امور ان کو ارشاد کرتا ہو جن سے ان کی عقول قاصر ہوں' ایسی دقیق وغامض باتوں کی اطلاع دیتا ہو جہاں ان کا طائرِ عقل پرواز نہ سکتا ہو' ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہو' نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وعذاب سے ڈراتا ہو جو حکم دیتا ہو وہ خود کرتا ہو' خود ان کے لئے مجسم پیکر عمل ہو' اس قانونِ حیات ونظام العمل کے لئے اس کا وجود آئینہ ہو۔

یہ ہیں اسلام کی زبان میں' شریعت کی لغت میں ''رسول ونبی'' کے معنی۔ اسی کو ہم اپنی زبان میں پیغمبر کہتے ہیں۔

''رسول ونبی'' میں کیا فرق ہے یہ ایک محض علمی چیز ہے' ہمارے موضوع سے خارج ہے' لیکن اجمالاً اتنا واضح رہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ''کتاب النبوات'' میں جو فرق بیان کیا وہ ہمیں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے' جس کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ: ''جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف غیب کی خبروں سے قوم کو اطلاع دیتا ہو' ان کو نصیحت کرتا ہو' ان کی اصلاح کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو ''وحی'' ہوتی ہو' وہ ''نبی'' کہلاتا ہے' اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ کفار کی طرف اور نافرمان قوم کو تبلیغ پر مامور بھی کیا جائے تو وہ ''رسول'' بھی ہوگا۔

اب ہم قرآن کریم کی روشنی میں ''انبیاء ورسل'' کے خواص ولوازم پیش کرتے ہیں' لیکن معلوم رہے کہ ''انبیاء ورسل'' کے عام خصائص بحیثیت نبوت ورسالت سب مشترک ہیں' قرآن کریم نے جتنے کمالات اور اوصاف انبیاء ورسل کے بیان کردیئے ہیں' وہ سب حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ میں بوجہ کمال موجود ہیں' کیونکہ آپ سب انبیاء ورسل سے افضل ہیں' آپ سید الانبیاء ہیں' خاتم الانبیاء ہیں' یہ نصوصِ قطعیہ کا مفاد ہے اور امتِ مرحومہ کا ''اجماعی عقیدہ'' ہے اور تاریخ عالم کی ''حقیقتِ ثابتہ'' ہے اور اسلامی دور کے حیرت انگیز کارنامے اس کے شاہد عدل ہیں' قرآن کریم نے بہت سے انبیاء ورسل کے خصائص وکمالات بیان کرنے کے بعد آپ کو حکم دیا اور فرمایا:

''اولٰئک الذین ھداھم اللہ فبھداھم اقتدہ''۔ (سورۂ انعام)

ترجمہ:...''یہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلئے''۔

اس سے یہ صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے جتنے عملی وعلمی کمالات تھے' آپ ان سے مالا مال تھے' اس لئے ہم جتنی آیات کریمہ مختلف انبیاء ورسل کے خصائص واوصاف میں پیش کریں گے' مقصود ان سے صرف نبوت کے کمالات وخصائص ہوں گے' جو اصل نبوت کی وجہ سے قدر مشترک سب میں موجود ہیں۔

منصبِ نبوت ورسالت

نبوت ایک عطیۂ ربانی ہے' جس کی حقیقت تک رسائی غیر نبی کو نہیں ہوسکتی' اس کی حقیقت کو یا تو حق تعالیٰ جانتا ہے جو نبوت عطا کرنے والا ہے یا پھر وہ ہستی جو اس عطیہ سے سرفراز ہوئی' مخلوق بس اتنا جانتی ہے کہ اس اعلیٰ وارفع منصب کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے وہ:

۱-معصوم ہے' یعنی نفس کی ناپسندیدہ خواہشات سے پاک صاف پیدا کیا گیا ہے اور شیطان کی دسترس سے بالاتر' عصمت کے یہی معنی ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ناممکن ہے۔

۲-آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں' کبھی جبریل امین کے واسطہ سے اور کبھی بلاواسطہ جس کے مختلف طریقے ہیں۔

۳-غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں' یعنی انبیاء علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دیتے ہیں' ان کو انسان نہ عقل وفہم کے ذریعہ معلوم کرسکتا ہے نہ مادی آلات وحواس کے ذریعہ ان کا علم ہوسکتا ہے۔

ان تین صفات کی حامل ہستی کو مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ومامور کیا جاتا ہے' گویا حق تعالیٰ اس منصب کے لئے ایسی شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو افرادِ بشر میں اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہوتی ہے' اس انتخاب کو قرآن کریم کہیں''اجتباء'' سے' کہیں''اصطفاء'' سے اور کبھی لفظ''اختیار'' سے تعبیر فرماتا ہے' یہ عام صفات وخصوصیات تو ہر نبی ورسول میں ہوتی ہیں' پھر حق تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرماکر وہ درجات عطا کرتا ہے جن کے تصور سے بھی بشر قاصر ہے' گویا نبوت' انسانیت کی وہ معراجِ کمال ہے جس سے کوئی بالاتر منصب اور کمال عالم امکان میں نہیں' ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہستی کو ہدایت واصلاح کے لئے مبعوث کرکے انہیں تمام انسانیت کا مطاع مطلق ٹھہرایا جاتا ہے' ارشاد ہے:''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ''یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔ پس حکم خداوندی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' وہ مطاع اور واجب الاطاعت متبوع ہے' اور امت اس کی ہدایت کے تابع اور مطیع فرمان۔

نبی ہر نقص وکوتاہی سے بالاتر ہوتا ہے

جب نبوت ورسالت کے بارے میں یہ صحیح تصور قائم ہوگیا کہ وہ ایک عطیۂ ربانی ہے، کسب ومحنت اور مجاہدہ وریاضت سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ حق تعالیٰ اپنے علم محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے پاک اور معصوم ومقدس ہستی کو پیدا فرماکر اس کو وحی آسمانی سے سرفراز فرماتا اور مخلوق کی ہدایت وارشاد کے منصب پر اسے کھڑا کرتا ہے تو اس سے عقلی طور پر خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی ورسول کی شخصیت ہر نقص سے، ہر کوتاہی سے اور ہر انسانی کمزوری سے بالاتر ہوتی ہے، کیونکہ اگر خود اس کی شخصیت انسانی کمزوریوں میں ملوث ہو تو وہ ہدایت واصلاح کی خدمت کیسے انجام دے سکے گا۔ ''آنکہ خود گم است کرا رہبری کند''

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ نبی کا حسب ونسب، اخلاق وکردار، صورت وسیرت خلوت وجلوت اور ظاہر وباطن ایسا پاک اور مقدس ومطہر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کا دل ودماغ مطمئن ہو اور کسی کو انگشت نمائی کا بال برابر بھی موقعہ نہ مل سکے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص شقاوتِ ازلی کی وجہ سے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے اور جحود وانکار میں مبتلا ہوکر ہدایت سے محروم رہ جائے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ بدتر سے بدتر دشمن بھی نبی میں کسی انسانی کمزوری کی نشاندہی کرسکے۔

نبی کریم ﷺ کے خصائص واوصاف

قرآن کریم میں انبیاء کرام اور رسولانِ عظام علیہم الف الف صلاۃ وسلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اور ان کے جن جن خصائص وکمالات اور اخلاق واوصاف کی نشاندہی فرمائی ہے یہ جگہ ان کی تفصیل کے لئے کافی نہیں، یہاں اس سمندر کے چند قطرے پیش کئے جاتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں:

۱:- ''یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً''۔ (الاحزاب:۴۵)

ترجمہ:... ''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بناکر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں''۔

۲:- ''انا ارسلناک شاہداً ومبشراً ونذیراً لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ''۔ (الفتح:۹،۸)

ترجمہ:... ''ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور

ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو“۔

۳:-”یٰس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم“۔ (یٰس:۱تا۴)

ترجمہ:...”یٰس، قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بے شک آپ ﷺ منجملہ پیغمبروں کے ہیں، سیدھے رستہ پر ہیں“۔

۴:-”ن والقلم وما یسطرون ما انت بنعمة ربک بمجنون وان لک لاجراً غیر ممنون وانک لعلیٰ خلق عظیم“۔ (ن:۱تا۴)

ترجمہ:...”ن، قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں“۔

۵:-”قدجاء کم من الله نور و کتاب مبین“۔ (المائدۃ:۱۵)

ترجمہ:...”بتحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)“۔

۶:-”فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون“۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ:...”سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں“۔

۷:-”ورفعنا لک ذکرک“۔ (الم نشرح)

ترجمہ:...”اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا“۔

۸:-”قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله“۔ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ:...”آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے“۔

۹:-”وان تطیعوه تهتدوا“۔ (النور:۵۴)

ترجمہ:...”اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے“۔

۱۰:-''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر''۔ (احزاب:۲۱)

ترجمہ:...''تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا''۔

۱۱:-''فلاوربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً''۔(النساء:۶۵)

ترجمہ:...''پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا تسلیم کریں''۔

۱۲:-''لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین''۔ (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:...''حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے''۔

۱۳:-''وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً''۔ (النساء:۱۱۳)

ترجمہ:...''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور فہم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے''۔

ترجمہ آیات سے آنحضرت ﷺ کے صفات وکمالات کا نقشہ سامنے آ گیا ہوگا، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو دعوت الی اللہ کا آفتاب عالم تاب بنایا ہے، تا کہ امت ان پر ایمان لائے ان کی توقیر کرے اور ان کی امداد کرے، بلاشبہ آپ سراسر صراط مستقیم پر ہیں۔ تاریخ عالم اس کی شہادت دیتی ہے کہ آپ خلق عظیم سے آراستہ ہیں، جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی توقیر ونصرت کریں اور جو آسمانی وحی کا نور الٰہی ان کے ساتھ ہے اس کا بھی اتباع کریں آخرت کی فلاح انہی کے لئے ہے، ان کی اتباع سے حق تعالیٰ کے اور آخرت کے امیدوار ہیں وہ انہی کو اپنا مقتدا وپیشوا بنائیں گے جو لوگ اپنے نزاعات

ومخاصمات میں بھی ان کے فیصلوں کو بدل وجان تسلیم نہ کریں خدا کی قسم کبھی مومن نہیں ہوسکتے' حق تعالیٰ کا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن میں ایسی ہستی مبعوث فرمائی کہ حق تعالیٰ کی آسمانی وحی ان کو پڑھ کر سنائیں' ہر قسم کے شرک وکفر' معصیتوں اور جاہلیت کی رسموں سے ان کا تزکیہ کریں' ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں' اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا کہ کتاب وحکمت کے وہ تمام علوم ان کو سکھائے جو نہ جانتے تھے۔

چند آیات بینات کا یہ سرسری خاکہ ہے' حق تعالیٰ کی اس آسمانی شہادت کے بعد کیا کوئی کمال اب ایسا باقی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو نہ دیا گیا ہو؟ اسی آسمانی وحی ربانی میں تمام امت کو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے جناب رسول اللہ ﷺ پر رحمت ودرود بھیجتے ہیں' اس لئے تمہیں حکم ہے کہ تم بھی ان پر درود بھیجو۔ پانچوں وقت اذان میں ان کی رفعت وبلندئ مقام کا اعلان ہوتا ہے' ہر نماز میں ان پر درود وسلام کا مخصوص انداز میں حکم ہے گویا کوئی نماز جو حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص عبادت ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مناجات ہے آپ کے ذکر خیر اور درود وسلام سے خالی نہیں' بلکہ اسی پر نماز کا اختتام ہوتا ہے' اس لئے تمام امت اور آسمانی کتابوں کا بھی فیصلہ ہے: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

علماء وطلبہ کے لئے خوشخبری اور طلبہ کو انعام دینے کیلئے عظیم تحفہ

دس ہزار احادیث کے ترجمہ پر مشتمل شہرہ آفاق کتاب

کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق

تالیف : علامہ عبدالرؤف مناویؒ مصری

کا ترجمہ کنوز الحقائق جو ایک عرصہ سے ناپید تھا بحمد للہ شائع ہوگیا ہے۔

من المروءة ان ينصت الاخ لاخيه اذا حدثه (فر)
من احب الطعام الى ما كثرت عليه الايدى (ع)

علماء وطلبہ کے لئے خصوصی رعایت، اسٹاک محدود

صفحات ۴۷۰، قیمت عام ۱۸۰ روپے علاوہ ڈاک خرچ

رابطہ کے لئے : محمد حنیف اورنگ آباد نمبر ۲/۶ ۲۱۰، ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

اور علمائے دیوبند کا کردار

جناب محمد اقبال، کراچی

ہندوستان میں انگریز کی آمد وقبضہ

انکار خدا بھی کر بیٹھو انکار محمد بھی لیکن
جانباز تماشہ دیکھیں گے محشر میں نافرمانوں کا

قلم اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ‘ تاریخ کو جنم دیتے ہیں‘ قومیں جب حقوق کی میز پر آمنے سامنے بیٹھتیں ہیں تو وہاں ووٹ نہیں‘ لاشیں شمار کی جاتی ہیں۔ جس قوم کی لاشیں اپنے حقوق کے حصول میں زیادہ ہوں گی وہی ہراول دستہ کہلائے گی۔

ہندوستان میں فرنگی سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی میں پہل کی تو مسلمانوں نے۔ انگریز کے خلاف عسکری جنگ لڑی تو مسلمانوں نے۔ توپوں کے دہانوں کے ساتھ باندھ کر اڑائے گئے تو مسلمان۔ پھانسی کے تختے پر انقلاب زندہ باد کہا تو مسلمانوں نے۔ جزائر انڈیمان کو آباد کیا تو انگریز کے باغی مسلمانوں نے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام

گزرے زمانے کا یہ محاورہ کہ زن‘ زمین اور زر بناء فساد ہیں‘ سرمایہ دار کسی رنگ وروپ کا ہو‘ ہمیشہ اپنے نفع کی سوچتا ہے‘ قصہ دراصل یوں شروع ہوا کہ ہالینڈ کے سوداگروں نے ایک پونڈ گرم مصالحہ کی قیمت میں پانچ شلنگ کا اضافہ کردیا۔ تو لندن کے دو درجن تاجر سیخ پا ہوگئے‘ انہوں نے ایک تجارتی کمپنی بنانے کا فیصلہ کیا‘ اس کمپنی کا نام ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی رکھا گیا (برطانیہ) کی ملکہ الزبتھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو شاہی پروانہ عطا کیا‘ اس کے بعد کمپنی کے ارکان نے بحری سفر کے ذریعے مختلف مقامات پر اپنے کو کاروباری انداز اور طریق سے منظم کرنا شروع کیا‘ چنانچہ سب سے پہلی بار کپتان ولیم ہاکنس ایک جہاز کے ذریعے سورت کی بندرگاہ میں داخل ہوا اور ہندوستان میں آپہنچا۔ ۱۶۱۵ یا ۱۴۰۹ھ میں سر تھامسن راؤ جہانگیر کے دربار میں حاضر

ہوا اور ایک درخواست کے ذریعے شہنشاہ سے کاروباری رعائتیں حاصل کرلیں اور ساتھ ہی اس کو (علاقہ) سورت میں ایک کوٹھی بنانے کی اجازت بھی مل گئی۔

یہ ہے وہ گھڑی جب تجارت کے بہانے انگریز کے ناپاک قدم ہندوستان میں آئے۔ یہ قدم پھر ایسے جمے کہ تین سو سال تک اس ملک کی تمام بہاریں غیر ملکی لوٹتے رہے اور جب یہ رخصت ہوئے تو سارا ہندوستان خزاں کی ایسی زد میں تھا کہ پھر اس پر کبھی بہار نہ آئی۔

غیر ملکی سوداگروں نے آہستہ آہستہ اپنے پاؤں ہندوستان میں پھیلانے شروع کئے۔ آج یہاں' کل وہاں' پرسوں ذرا آگے۔ پہلے سورت میں کوٹھی بنائی پھر بڑھوچ' پھر آگری پھر دریائے ہگلی پار کرکے کلکتہ کو اپنا مرکز قرار دے لیا۔ ''آگ لینے آئی گھر کی مالک بن بیٹھی''، مغل سلطنت کے زوال میں رعایا کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا' بلکہ یہ گھر اپنے ہی چراغوں سے جل کر راکھ ہوگیا۔

مسلمان بادشاہ جنہیں قریباً ہزار سال ہندوستان میں استحکام حاصل رہا' جب سرنگوں ہوا تو اس کی فرد جرم پر غیروں کے دستخط نہیں تھے' بلکہ اپنا ہی خون تھا جو محلات کی اندرونی رقابتوں اور سازشوں سے اسے بہا کر لے گیا۔ جو قوم مغل شہنشاہوں کے آستانوں پر تجارت کی بھیک مانگنے آتی تھی' جب وہ آستانے اجڑ گئے' جب بھیک دینے والے ہاتھ خود محتاج ہوگئے اور لال قلع کے باشی شاہ جہاں کی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر بھیک مانگنے لگ پڑے تو پھر غیر ملکی تاجروں نے اپنے بھنڈار کھول دیئے' جیسے جیسے ان کے قدم بڑھتے گئے' ہندوستان کی آزادی سمٹ کر ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتی گئی۔

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں' اسی ابتری کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کردیئے' ان کے ساتھ دوسری کاروباری قومیں بھی حصولِ اقتدار میں ہاتھ پاؤں مارنے لگیں۔ یہاں تک کہ ملک کے مختلف حصوں میں صوبہ خودمختاری کے اعلانات ہونے لگے' اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی نے نوابوں اور راجاؤں سے گٹھ جوڑ شروع کردیئے۔ عالم گیر نے مرشد قلی خان کو بنگال کا نواب ناظم مقرر کیا ہوا تھا' مگر عالم گیر کی محنت کے بعد یہی صوبہ دار' عملی طور پر فرمانروا بن بیٹھا' ابھی پوری طرح سنبھلا نہ تھا کہ بہار کے حاکم' علی وردی خان نے بنگال کو فتح کرلیا' یہ اس علاقے کے لئے بہترین حاکم ثابت ہوا۔

۱۷۵۶ء میں علی وردی خان کا انتقال ہوگیا' اس کی عنانِ اقتدار اس کے نواسے سراج الدولہ نے سنبھال لی' مرنے سے قبل سراج الدولہ کو وصیت کی کہ مغربی اقوام کی اس قوت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا جو انہیں

ہندوستان میں حاصل ہوچکی ہے۔

سراج الدولہ اپنے خاندان میں اَن گنت صلاحیتوں کا مالک تھا' لیکن تخت سنبھالتے ہی اسے پہلے اپنے خاندان سے نمٹنا پڑا' اپنی چچی بیگم گھسیٹی اور چچازاد بھائی شوکت سے جنگ آزما ہوا' اندرونِ خانہ مارِ آستین (دوست نما دشمن) بنے ہوئے تھے' ان کو ٹھکانے لگایا تو اصل دشمن کا پتہ چلا کہ اندر خانے یہ ساری گیم تو انگریز کھیل رہا ہے' اس دوران انگریزوں نے کلکتہ میں تعمیر کردہ اپنا قلعہ فورٹ ولیم کو مزید مضبوط کرنا شروع کردیا' نواب نے انگریزوں سے قلعہ کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کردیا' اس پر سراج الدولہ نے غصہ میں آکر انگریزوں پر حملہ کرکے کلکتہ ان سے چھین لیا۔

سراج الدولہ کی شہادت' انگریز کا پہلا باغی مسلمان

لیکن اس کامیابی کی عمر' دیرپا ثابت نہ ہوئی جیسے ہی مدراس میں یہ خبر پہنچی کہ کلکتہ انگریزوں سے چھن گیا ہے' اس کے ساتھ ہی انگریز افواج کے سپہ سالار کلائیو نے مدراس سے کلکتہ پہنچ کر خفیہ طور پر نواب کی فوج کے سپہ سالار میر جعفر سے ایک خفیہ معاہدہ طے کیا۔

جنگ پلاسی

مذکورہ بالا سازشی معاہدے کے بعد ۲۳ر جون ۱۷۵۷ء کو نواب سراج الدولہ اور انگریز کے درمیان پلاسی کے میدان میں جنگ ہوئی' اس موقع پر میر جعفر نے غداری کی کہ اپنی فوجوں کو عین وقت پر میدان میں جانے سے روک دیا' ۲۹ر جون ۱۷۵۷ء کو انہیں کے اہل کاروں کی سازش اور سپہ سالار میر جعفر کی غداری سے انگریزوں کے اس بہت بڑے دشمن کو شہید کردیا گیا' اس کامیابی نے بنگال کو مکمل طور پر انگریزوں کے ہاتھ میں دے دیا' اس جنگ کی کامیابی نے کمپنی کے خاص تجارتی دور کا خاتمہ کیا اور ایک وسیع خطۂ ملک ہاتھ آجانے سے تجارت کے ساتھ حکومت کا دور شروع ہوا' انگریزوں کے مقابلے میں یہ مسلمانوں کی پہلی شکست تھی' اس شکست سے ہندوستان کا ایک بڑا محاذ ختم ہوگیا۔

روہلکھنڈ کا نواب حافظ رحمت خان

روہلکھنڈ کا علاقہ اودھ کے شمال مغرب میں ایک خوشحال اور سرسبز علاقہ تھا' یہاں روہلوں کی مختصر ایک مخصوص ریاست تھی' حافظ رحمت خان اس قبیلے کا سردار تھا' وہ پانچ ہزار علماء کرام کو ملکی خزانے سے وظیفے اور تنخواہیں دیتا تھا' طلباء کے اخراجات کی خود کفالت کرتا تھا' اس نے دیہات اور قصبات میں مسجدیں بنوائیں اور ان میں باقاعدہ خطیب اور خادم مقرر کیے۔ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں' روہلکھنڈ کی ریاست انہیں میں شمار ہوتی تھی' نواب وزیر خان

والئی اودھ سے مل کر انگریز نے حافظ رحمت خان سے جنگ کی۔ اس لڑائی میں تیس ہزار کے قریب روہیلے مارے گئے‘ ان کے علاوہ حافظ رحمت خان اور ان کے تینوں بیٹے بھی اس میدان میں کام آئے۔ اس شہر یعنی بریلی پر انگریز کا تسلط ہوگیا۔

غداری کا انجام

اسلام کی اجتماعی زندگی میں شہید اور غدار‘ دو لفظ اس قدر وزن رکھتے ہیں کہ ان کا انکار مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے ناواجب قرار دیا گیا ہے‘ لیکن رواں دور میں یہ الفاظ کم وبیش اپنا وقار کھو چکے ہیں۔ ایک بدمعاش دوسرے بدقماش کو قتل کردے تو مقتول کے ہمنوا اسے شہید کا درجہ دیدیتے ہیں‘ کسی کی بہو‘ بیٹی کے اغوا میں کوئی مارا جائے تو اس کے وارث بھی مرنے والے کو شہید کہہ کر پکارنے لگتے ہیں‘ اگر دو جواری باہم رقابت میں لڑ کر مارے جائیں تو ان کے ماننے والے انہیں بھی شہید فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

اسی طرح لفظ غدار بھی مذاق بن کر رہ گیا ہے اور ہلکے پن کا یہ عالم ہے کہ محض رائے سے اختلاف کی بناء پر غدار کا خطاب دیدیا جاتا ہے۔ غدار کسی بھی لباس میں ہو جب اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو قوموں کے مستقبل میں عبرت کا نشان چھوڑ جاتا ہے۔ چنانچہ میر جعفر نے سراج الدولہ اور وطن عزیز سے جو غداری کی‘ اس کے انگریز آقاؤں نے اسے بہت جلد اس کی سزا دے دی کہ اسے نااہل قرار دے کر اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب مقرر کردیا۔

میر قاسم نے برسر اقتدار آکر ”مدنا پور“ اور چٹا گانگ کے اضلاع کمپنی بہادر یعنی انگریزوں کے حوالے کردیئے اور وہ بغیر محصول ادا کئے ذاتی طور پر تجارت کرنے لگے۔ حکومت کو آمدنی میں خسارہ ہونے لگا‘ جس پر اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور شہنشاہ شاہ عالم ثانی کی مدد سے میر قاسم نے انگریزوں سے جنگ کی‘ یہ جنگ ”بکسر“ کے مقام پر ہوئی‘ اس لڑائی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی‘ جنگ ختم ہونے پر ایک معاہدہ طے پایا‘ تاریخ میں یہ معاہدہ الہ آباد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۷۶۵ء میں یہ معاہدہ (انگریز) کلائیو اور نواب شجاع الدولہ اور شاہ عالم کے درمیان طے پایا تھا‘ اس کی رو سے بادشاہ دہلی (شاہ عالم ثانی) کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال‘ بہار‘ اڑیسہ کا دیوان (حاکم) مقرر کردیا یعنی کمپنی ان اضلاع سے مال گزاری (زمین کا محصول مالیہ وغیرہ) وصول کرسکتی ہے‘ اگر اس معاہدہ کو ہندوستان کی غلامی کی ابتداء کہا جائے تو درست ہوگا۔ شاہ عالم ثانی نے انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی اور وہ انگریزوں کا وظیفہ خور ہوگیا۔ بادشاہ پورے دس برس بعد الہ آباد سے دہلی آیا‘ وہ یہاں آکر نئے فتنوں‘ امراء کے جوڑ توڑ‘ روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار رہا۔ بالآخر نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر

روہیلہ نے ۱۷۸۸ء میں دہلی پر قبضہ کرلیا' شاہی محل لوٹا' شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموری کے وارث مغل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکالیں۔ ۱۷۸۹ء میں سندھیہ (مرہٹہ) نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا۔

ٹیپوسلطان کی شہادت

میسور کی ہندو ریاست کا دلیر سپہ سالار حیدر علی (راجہ کے کمزور ہوجانے پر) ۱۷۶۱ء میں میسور ریاست کا سربراہ بنادیا گیا' اس نے ۲۲ سال حکومت کرکے ریاست کی شیرازہ بندی کی' اپنے بیٹے فتح علی کو اپنا جانشین بناکر ۱۷۸۳ء میں وفات پاگیا۔

فتح علی عرف ٹیپوسلطان

۱۷۸۳ء تا ۱۷۹۹ء فتح علی (عرف ٹیپوسلطان) نے اقتدار سنبھالا' اس وقت یہ دور ہندوستان میں انتشار کا دور تھا۔

''چراغ بے داغ ہوتو آئینے کی شہادت کی ضرورت نہیں پڑتی' ضمیر زندہ ہوتو کسی پر بد اعتماد ہونے کو جی نہیں چاہتا''۔

میر صادق اور ایک ہندو وزیر سب سے پہلے اپنے آقا کے قتل میں انگریز کے آلہ کار بنے۔ سلطان کا گھڑ سوار فوج کا کور کمانڈر بدرالزمان انگریز سے جاگیر کے لالچ میں سودا کرچکا تھا' انگریزوں نے وزیر اعظم میر صادق اور کئی امراء کو ملالیا اور ریاست پر بڑی فوج سے حملہ کردیا۔ ٹیپوسلطان قلعہ میں محفوظ تھا' مگر غداروں نے دروازہ کھول دیا' انگریزی فوج قلعہ میں گھس آئی' ٹیپوسلطان بڑی دلیری سے لڑتا ہوا شہید ہوا' سلطان کی شہادت کے بعد انگریز نے قلعہ اور محلات پر قبضہ کرلیا' سلطان کا جھنڈا اتار کر انگریز نے اپنا جھنڈا لہرادیا' اس کے بعد ایک جنرل نے کہا:

''آج ہندوستان کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی' اب دنیا کی کوئی طاقت ہندوستان کو ہماری غلامی سے نہیں بچاسکتی''۔

ٹیپوسلطان کی وصیت

میں خوش ہوں کہ ایک کافر کے مقابلے میں لڑکر خدا کے راستے میں جان دے رہا ہوں' خدا کا شکر ہے کہ میں فرنگی فوج کو مارتے مارتے جان دے رہا ہوں' کاش! کوئی میرے بعد ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال بھگائے۔ اس وقت تک میری روح کو قبر میں چین نہیں آئے گا' جب تک ہندوستان کی سرزمین فرنگیوں سے پاک نہ ہوجائے۔

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا' مرہٹوں کو نکال دیا اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کردی۔

ہندوستان دارالحرب ہے کا فتویٰ

انگریز کی بظاہر پالیسی رہی کہ بادشاہ دہلی کو تخت وتاج کے ساتھ جوں کا توں رہنے دیا گیا' لیکن ملکی اختیارات تمام کے تمام ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تسلیم کرالئے گئے' اس طرح یہ اعلان ہونے لگا:

''خلق خدا کی' ملک بادشاہ سلامت کا' اور حکم کمپنی (یعنی انگریز) بہادر کا''۔

ان مشکل ترلمحوں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیدیا' شاہ عالم ثانی ۴۵ برس تخت نشین اور ۱۸ سال نابینا رہ کر ۱۸۰۶ء میں راہیٔ ملک بقا ہوا۔

سندھ پر انگریزوں کا قبضہ

شاہ افغانستان' شاہ شجاع کے زمانہ میں انگریز' رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے' اس معاہدے کی رو سے کشمیر' پشاور اور ملتان پر رنجیت سنگھ کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا' جس کے بدلے رنجیت سنگھ نے سندھ سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرلیا' اس طرح سندھ کابل کا ایک صوبہ قرار پایا' اب کابل پر انگریز کی کٹھ پتلی حکومت قائم تھی' سندھ پر قبضہ کرنے میں اب انگریز کے راستے میں کوئی دوسری دیوار نہیں تھی' یہ زمانہ سندھ پر تالپور خاندان کی حکمرانی کا تھا' انگریز نے امیر سندھ کو رنجیت سنگھ کے حملے کا خوف دلا کر سندھ کو اپنی نگرانی میں لے لیا' جب تالپور خاندان کا میر پور میں تخت نشینی کا تنازع شروع ہوا تو انگریز نے میر علی مراد کے حق میں فیصلہ دیدیا' نئے امیر نے خراج کے بدلے سندھ کے اہم علاقے انگریز کمپنی کے حوالے کردیئے۔ مختصر یہ کہ انگریزوں نے مارچ ۱۸۴۳ء کو میر پور پر قبضہ کرلیا اور اگست ۱۸۴۳ء کو امیر سندھ کو جلا وطن کرکے پورے سندھ کا الحاق اپنے ساتھ کرلیا۔

پنجاب میں انگریزوں کی آمد

سندھ کے بعد جب انگریز کی نظریں پانچ دریاؤں کے اس خوبصورت خطہ ارض پر پڑیں تو اس وقت رنجیت سنگھ اس کی بہاریں لوٹ رہا تھا' پنجاب کا یہ سکھ حاکم ان پڑھ ہونے پر بھی بڑا زیرک اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ ۱۸۳۹ء کو رنجیت سنگھ کا انتقال ہوگیا' پنجاب کے اس سکھ حکمران کو شیرِ پنجاب کا خطاب دیا گیا' رنجیت سنگھ

کے بعد ہر سکھ سردار نے وہ فتور مچایا کہ پنجاب تباہ ہوکر رہ گیا، رنجیت سنگھ کے کئی بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بالآخر رنجیت سنگھ کا نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ گدی نشین ہوا۔ اس کی والدہ رانی (المعروف جنداں) اپنے چہیتے لال سنگھ سمیت، راج کی سربراہ بن گئی، اندرونی خلفشار رک نہ سکا۔

دسمبر ۱۸۴۵ء میں سکھ اور انگریزوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی، سکھوں کو شکست اٹھانا پڑی، صلح نامہ لاہور کے نام سے معاہدہ ہوا، ستلج اور بیاج کے علاقے انگریز سلطنت میں شامل کر لئے گئے، بالآخر مارچ ۱۸۴۹ء میں لارڈ لہوزی نے پنجاب کو اپنی قلمرو (عملداری) میں شامل کرلیا، رنجیت سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ کو پنشن دے کر لندن بھیج دیا، وہاں اس نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔

جنگ آزادی اور علماء دیوبند کا کردار

تعبیر پاکستان کے مصنف: ایس ایم شاہد شعبہ تعلیم، استاذ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ص:۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(شاہ عالم ثانی) کی وفات کے بعد اس کے بقید حیات لڑکوں میں جو سب سے بڑا لڑکا تھا وہ تخت نشین ۱۸۰۶ء میں ہوا۔ اس نے اپنا لقب اکبر شاہ ثانی اختیار کیا، ۱۸۳۷ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو مرزا عبد المظفر سراج الدین محمد اس کے جانشین کی حیثیت سے بہادر شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ بہادر شاہ آخری مغل تاج دار تھا، چنانچہ مغلیہ سلطنت ایک ظاہری اور نمائشی سلطنت کے روپ میں ۱۸۵۷ء تک چلتی رہی، سلطنت مغلیہ کا شیرازہ پوری طرح بکھر گیا تھا، زوال پذیر دور میں روشنی کی کچھ کرنیں اگر نظر آرہی تھیں تو وہ محض شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ اور ان کے پوتے مولانا شاہ اسماعیلؒ کی تحریکات: ''تطہیر'' اور ''اصلاح'' تھیں اور سید احمد بریلوی کا بہادرانہ اور سرفروشانہ مقابلہ تھا۔''

برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار

۱۹۴۵ء تک کے مصنف ڈاکٹر ایچ، بی خان ص:۲۲ پر تحریر کرتے ہیں:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہند نے ملک سے بیرونی طاقت کے اخراج اور حصول آزادی کے لئے جدوجہد کی تھی، عہد برطانیہ سے ملکی اور غیر ملکی مؤرخین اس جنگ کو بغاوت کے نام سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں جو ایک تاریخی غلطی ہے۔ جنگ آزادی کے علل واسباب متنوع بھی ہیں اور مختلف فیہ بھی۔ ان پر مؤرخین نے بالتفصیل بحث بھی کی ہے، یہاں موضوع کی مناسبت سے ہم صرف مذہبی وجوہات سے مختصر بحث کررہے ہیں:

الف: -مغل تاجدار سے کمپنی نے عہد کیا تھا کہ ہم قضات (یعنی قاضی) کا عہدہ برقرار رکھیں گے۔

ابتداء میں اس عہد پر عمل ہوتا رہا، مگر جیسے جیسے انگریزوں کا اقتدار و غلبہ مضبوط ہوتا گیا ویسے ویسے اس عہد میں کمزوری اور لچک پیدا ہوتی گئی، تا آں کہ ۱۸۶۵ء میں قضات کو ختم کر دیا۔

ب:- ایک برطانوی مؤرخ مسٹر لڈلو اور ایک دوسرے مؤرخ پروفیسر ماکس اور تیسرے برطانوی باشندے نے علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے کہ جب سے ہم نے دیسی طریقہ تعلیم کو ختم کیا ہے، تب سے ہندوستانی بے علم ہوتے جا رہے ہیں، مسٹر نے سرکاری کاغذات کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''برطانیہ سے قبل بنگال میں اسی ہزار دیسی مدارس تھے۔ نیز کیپٹن نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ: شہر ٹھٹھ میں عالم گیر اور رنگ زیب کے زمانہ میں چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے''۔

ج:- عہد سلطنت دہلی و عہد مغل میں معلمین اور متعلمین کے لئے وظائف اور عطیات دیئے جاتے تھے۔ نیز اوقاف کی آمدنی سے مدرسین وطلباء کی مستقلاً مالی اعانت کا اہتمام تھا، ۱۸۳۵ء میں اوقاف کی ضبطی سے یہ مدارس تباہ و برباد ہو گئے۔

د:- کمپنی نے شروع عملداری سے ہی پادریوں کی سرپرستی کی، ان پادریوں نے مختلف طریقوں سے زر کثیر صرف کر کے لوگوں کو مرتد بنانا شروع کیا، چنانچہ لوگوں کو خدشہ ہوا کہ ہمارا دین و مذہب بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

جانباز مرزا تحریر فرماتے ہیں:

> ''مہمان بن کر آنے والے جب حاکم بن بیٹھے تو اپنے تخت پر اس قدر اتراتے کہ ابلیس کے ہم دوش ہو کر انسان کو غلام بنا کر بھی ان سے حیوانوں کا سا برتاؤ کرنے لگے، عوام نئے حاکموں سے دست وگریبان ہونے کے بہانے تلاش کرنے لگی''۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ مسلم عوام کے دلوں میں جہاد کی آگ روشن کر چکا تھا، ہندو عیسائی پادریوں کے طریق تبلیغ سے دھرم کی رسوائی دیکھ رہے تھے، انسان ہونے کے ناطے سے بھی انگریزوں کا برتاؤ رعایا سے ظالمانہ تھا، انگریزوں کے قدم جمنے لگے تو فوجیوں کے لئے ایسے احکام جاری کئے جو کسی طرح بھی ان کے لئے پسندیدہ نہیں تھے۔ مثلاً: دیسی، سپاہی جب فوجی لباس میں ہوں تو ماتھے پر تلک نہ لگائیں اور نہ ان کے کانوں میں بالیاں ہوں، سپاہیوں کو چاہئے کہ اپنی ڈاڑھیاں منڈوایا کریں، پگڑی کی جگہ ٹوپی استعمال کریں۔ ان احکام سے قدرتی طور پر اس خیال کو اور تقویت ملی کہ انگریز ہندوستانیوں کی وضع قطع، رسم و رواج اور طور طریقوں میں دخل اندازی کر کے ان کے مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

چربی کے کارتوس

۱۸۵۳ء میں انگلستان سے ایک خاص قسم کے کارتوس کا ذخیرہ ہندوستانی فوج کے استعمال کے لئے بھیجا گیا' ان کارتوسوں میں سور کی چربی استعمال کی گئی تھی' چربی والے کارتوس کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا' کارتوسوں میں سور اور گائے کی چربی قصداً اس لئے استعمال کی گئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہب خراب کیا جائے' ہندوؤں کو تو گائے کی جھلی کا اشتبا واقع ہوا اور اہل اسلام کو سور کی جھلی کا۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ کلکتہ میں ایک فرنگی سپاہی نے ایک برہمن ذات کے فوجی سپاہی سے پانی طلب کیا' اس پر برہمن نے کہا: تم ملیچھ (نجس) ہو' میں تمہیں پانی نہیں دوں گا' میرا دھرم مجھے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔ فرنگی سپاہی نے طنزاً کہا: اس وقت تمہارا دھرم کیا رہ جائے گا جب تمہیں گائے اور سور کی چربی کے کارتوس استعمال کرنے پڑیں گے۔ یہ جنوری ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے۔ اس خبر سے کلکتہ کی فوج میں اشتعال ہوا تو میجر کوانا نے اس کو دبا دیا' البتہ یہ خبر پھیل کر بارکپور پہنچی تو وہاں کی فوج نے افسروں کی حکم عدولی کی' جس پر اس مذموم فضا میں بریلی کے کوچہ و بازار میں ایک اشتہار پایا گیا' جس کی عبارت تھی: ہندوؤ اور مسلمانو اٹھو! اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے آزادی سب سے بڑی نعمت ہے' کیا وہ ظالم شیطان جنہوں نے ہم سے آزادی چھین لی ہے' ہمیں ہمیشہ سے آزادی سے محروم رکھ سکتے ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں وغیرہ۔ چلتے چلتے اس قسم کے اشتہار' دہلی' لکھنؤ' آگرہ' بنارس' آلہ آباد' جھانسی' حیدرآباد دکن' کانپور اور مدراس تک جا پہنچے تھے' گو اشتہارات کی عبارت مختلف تھی' تاہم مفہوم ایک ہی تھا یعنی ہندو اور مسلمانوں کو اکسایا گیا تھا' کمپنی کی حکومت نے لاکھ کوشش کی کہ ان اشتہارات کے مصنف یا محرک کا پتہ لگ سکے' مگر تمام کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ دوسری طرف' پنڈت' مولوی' سنیاس ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل کر انگریزوں کے خلاف انقلابی تقریریں کر رہے تھے' یہاں تک کہ مداری اور بھانڈ' پتلیا نچانے والے بھی اپنے کھیل تماشوں کے ذریعے تماشائیوں کو جنگ آزادی کا پیغام دے رہے تھے' لوگ بازاروں اور چوپالوں میں بیٹھ کر مولویوں کا وعظ سنتے' مسلمان قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور ہندو گنگا جلی اٹھا کر قسمیں کھاتے کہ فرنگیوں کو اپنے دیس سے نکال کر دم لیں گے۔ اس دوران اندر خانے ایک اور تحریک رواں دواں تھی یعنی کاٹھ کی روئی اور کنول کا پھول دونوں ایک ساتھ لئے ہوئے دیہاتوں دیہات پھر کر کسانوں اور دیہاتیوں کو جنگ آزادی میں شمولیت کی دعوت دی جارہی تھی' جس سے مراد یہ تھی کہ روئی کے حصول کے لئے پھول کی پتیوں کی طرح ایک ساتھ ملکر محبت اور پیار کی خوشبو ملک میں پیدا کریں اور غیر ملکیوں سے نجات حاصل کریں''۔

(انگریز کے باغی مسلمان ص:۸۹ تا ۹۵)

اس لئے تمام ہندوستانیوں نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً اس انقلاب ۱۸۵۷ء کو ضروری سمجھا

اور مقرر کیا گیا کہ ۱۱؍مئی یا ۳۱؍مئی کو تمام ہندوستان میں انقلابی کارروائی عمل میں لائی جائے اور علَم جہاد بلند کیا جائے، مگر افسوس کہ اس پر عمل نہ ہوا، بلکہ ۲۲؍مارچ کو مدم (صوبہ بنگال) میں منگل پانڈے کے ہاتھوں (دو ماہ پہلے) یہ آتشیں مادہ بھڑک اٹھا۔

ایک دن دوپہر کے وقت ایک فوجی سپاہی منگل پانڈے بندوق لئے پریڈ کے میدان میں آن کھڑا ہوا اور زور زور سے چلانے لگا۔ بھائیو! اٹھو اور مکار دشمنوں پر حملہ کرکے آزادی حاصل کرلو اس کا یہ کہنا تھا کہ سارجنٹ میجر ہیـجـن نے اس کی گرفتاری کا حکم دیدیا، مگر اس حکم کی تعمیل کسی ہندوستانی سپاہی نے نہ کی۔ اتنے میں منگل پانڈے نے دین دین کا نعرہ لگا کر میجر ہیـجـن پر فائر کردیا، جس سے وہ ہلاک ہوگیا، اتنے میں رجمنٹ کے ایڈ جوانٹ لیفٹیننٹ باگو کو اس واقعہ کی اطلاع ملی اور وہ فوراً موقع پر پہنچا، وہ گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ منگل پانڈے نے اس پر بھی گولی چلادی، مگر نشانہ ٹھیک نہ بیٹھا، لیفٹیننٹ باگو نے فوراً تلوار سے کام لینا چاہا، مگر منگل پانڈے نے اسے فرصت نہ دی کہ اس پر فائر کردیا جس سے وہ جہنم واصل ہوا۔ جنرل ہیرے انگریز سپاہیوں کی پلٹن کے ہمراہ موقع واردات پر پہنچ گیا، منگل پانڈے گرفتار ہوا، کورٹ مارشل ہوا اور ۸؍اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی پر لٹکادیا گیا، اس واقعہ نے دیسی سپاہیوں کو اس قدر مشتعل کردیا کہ مئی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی ایکشن شروع ہوگیا۔ وہاں کی دو رجمنٹیں (۱۹) اور (۲۴) اپریل ختم ہونے سے قبل توڑ دی گئیں، جو آگ کلکتہ سے شروع ہوئی تھی وہ انبالہ، لکھنؤ سے ہوتی ہوئی میرٹھ تک آن پہنچی۔ ۲۳؍اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں اس واقعہ کا پھر اعادہ کیا گیا یعنی پچاس افسروں اور سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کردیا، اس جرم میں انہیں مارشل لا کورٹ کے تحت دس دس سال قید سنائی گئی، بالآخر ۱۰؍مئی ۱۸۵۷ء کو ہندوستانی فوجی نے اپنے انگریز افسروں کو قتل کرکے جیل توڑ کر سپاہیوں کو رہا کرالیا، باقی فوج بھی ان سے مل گئی اور یہ تمام فوج دہلی روانہ ہوگئی

(جاری ہے)

☆☆......☆☆

لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے متعلق

ادارہ

اجلاس راولپنڈی کا اعلامیہ!

۱۱/ جولائی ۲۰۰۷ء کو جامعہ اسلامیہ راولپنڈی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی عاملہ کا اجلاس ہوا' جس میں سانحہ لال مسجد ومدرسہ حفصہ للبنات اسلام آباد پر نہایت رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور اس کی شدید مذمت کی گئی۔حکومت ومیڈیا کی جانب سے غلط پروپیگنڈے،حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے، پیش آمدہ نئی صورت حال اور اس کے اثرات کے ازالہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا گیا' اس سلسلہ میں اجلاس راولپنڈی کا اعلامیہ پیش خدمت ہے' اس کی روشنی میں مسلمانوں کو حقائق سے آگاہ کیا جائے اور طے شدہ کنونشوں کو کامیاب بنانے کی سعی وکوشش کی جائے۔مزید مجلس عمل اور وفاق المدارس کے اکابر مل کر ان شاء اللہ لائحہ عمل طے کریں گے۔ (ادارہ)

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱/ جولائی ۲۰۰۷ء کو جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی زیر صدارت منعقد ہونے والا وفاق کی مجلس عاملہ کا یہ ہنگامی اجلاس اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے خلاف حکومت کے مسلح آپریشن کی شدید مذمت کرتا ہے' جس کے نتیجے میں مولانا عبدالرشید غازی شہید اور ان کی والدہ محترمہ اور دیگر ہزاروں افراد شہید ہوگئے ہیں۔

یہ اجلاس اس آپریشن کے دوران شہید ہونے والے تمام افراد کی المناک موت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی مغفرت کے لئے دعا گو ہے اور ان کے اہلِ خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

وفاق المداس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ یہ سمجھتی ہے کہ وفاق المدارس نے اس تنازع کے آغاز پر جس موقف کا اظہار کیا تھا وقت نے اسے درست ثابت کرو یا ہے' وفاق نے یہ واضح کردیا تھا کہ یہ مسئلہ مذاکرات اور افہام وتفہیم کے ذریعہ حل کیا جانا ضروری ہے اور کسی فریق کی طرف سے بھی طاقت کا استعمال اور تشدد کا رویہ غلط ہوگا جو بہت سے شہریوں کی جانوں کے ضیاع کا باعث بن سکتا ہے' لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وفاق المدارس کی اس

اپیل پر کسی فریق نے بھی توجہ نہیں دی اور دونوں طرف سے اسلحہ اور طاقت کے بے جا استعمال نے پوری قوم کو کرب و الم کے ایک نئے دور میں داخل کر دیا ہے' وفاق المدارس العربیہ کے راہنماؤں نے اس بحران کے پُر امن حل اور ہزاروں افراد بالخصوص طالبات اور بچوں کی جانیں بچانے کے لئے ۸/ جولائی کو جس مصالحتی عمل کا آغاز کیا تھا' اسے آخری مرحلہ میں اچانک ناکام بنا دیا گیا جو اس المیہ کا سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو ہے اور مجلس عاملہ کی رائے ہے کہ صدر پرویز مشرف اس آپریشن کا قطعی فیصلہ کئی روز پہلے کر چکے تھے' جس کا اظہار انہوں نے بلوچستان میں انتہائی رعونت آمیز انداز میں کر دیا تھا کہ لال مسجد والے باہر آجائیں ورنہ مار دیئے جائیں گے' حالات کا تسلسل بتاتا ہے کہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وفاق المدارس کی مصالحتی کوششوں کو آخری مرحلہ میں جب کہ کم وبیش تمام امور میں فریقین میں اتفاق ہو چکا تھا' سبوتاژ کر دیا گیا۔ جس کی ذمہ داری سب سے زیادہ صدر پرویز مشرف پر عائد ہوتی ہے' وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ سمجھتی ہے کہ یہ صورت حال ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ میں مسلسل تاخیر' فحاشی کے فروغ' حدود شرعیہ میں غیر شرعی ترامیم' اسلام آباد میں مساجد کو گرائے جانے اور دینی اقدار وشعائر کے بارے میں حکومت کے مسلسل منفی اقدامات کے ردِعمل کے طور پر پیدا ہوئی ہے' اس لئے حکومت کی اصل ذمہ داری ہے کہ وہ ان اسباب وعوامل کی طرف توجہ دے اور اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے ملک میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ' فحاشی کے سد باب اور اسلام آباد میں گرائی جانے والی مساجد کی فوری دوبارہ تعمیر کا اہتمام کرے' یہ اجلاس میڈیا کے اکثر حلقوں کے اس طرز عمل پر تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ لال مسجد کے آپریشن کے دوران تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا جا رہا ہے اور حالات کے معروضی تناظر کو سامنے لانے کی بجائے صدر پرویز مشرف کی اس فرمائش پر عمل کیا جا رہا ہے کہ اگر میڈیا لاشیں نہ دکھانے کا یقین دلائے تو وہ لال مسجد کے خلاف آپریشن کے لئے تیار ہیں' اس سلسلہ میں ہماری شکایت اور تشویش کا اندازہ ۱۲/ مئی کے واقعات کے مقابلہ میں اسلام آباد کے سانحہ کے بارے میں میڈیا کے طرز عمل کو دیکھ کر بخوبی کیا جا سکتا ہے' یہ اجلاس میڈیا کے ذمہ دار حضرات کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ اپنی قانونی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا لحاظ رکھیں اور کسی ایک شخصیت کو خوش کرنے کی بجائے صحیح حالات کو ان کے اصل تناظر میں پیش کرنے کا راستہ اختیار کریں۔

یہ اجلاس جامعہ حفصہ کے آپریشن کی صورت حال کی آڑ میں وزیر اعظم کی طرف سے ملک بھر کے دینی مدارس کے خلاف دھمکی آمیز بیان پر شدید احتجاج کرتا ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام آباد کے مخصوص حالات کی آڑ میں پورے ملک میں دینی مدارس کے خلاف کسی نئی مہم کا آغاز کیا جا رہا ہے' جس کی تائید ان اطلاعات سے بھی ہوتی ہے کہ کل سے ملک کے مختلف حصوں میں دینی مدارس کے از سر نو کوائف طلب کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے' دینی مدارس کے منتظمین کو ہراساں کیا جا رہا ہے اور انہیں بلا وجہ پریشان کیا جا رہا ہے۔

یہ اجلاس وزیر اعظم کے اس دھمکی آمیز بیان کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ دینی مدارس کی آزادی' خود مختاری اور جداگانہ تعلیمی تشخص کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا اور اس کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے

گا۔ یہ اجلاس ملک بھر کے دینی مدارس سے اپیل کرتا ہے کہ وہ کسی پریشانی اور خوف میں مبتلا نہ ہوں اور پورے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں‘ اس کے ساتھ ہی یہ اجلاس اس امر کی یاددہانی ضروری سمجھتا ہے کہ باہمی طے شدہ فیصلہ کے مطابق کسی بھی دینی مدرسہ کے بارے میں اگر کوئی کوائف مطلوب ہیں تو وہ متعلقہ وفاق سے رجوع کرے اور براہ راست کسی مدرسہ سے کوائف طلب نہ کرے۔

یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جامعہ فریدیہ اسلام آباد سے سرکاری فورسز کو فوری طور پر ہٹایا جائے اور معمول کی تعلیمی سرگرمیوں میں حائل تمام رکاوٹوں کو ختم کرکے اساتذہ اور طلبہ کو آزادی کے ساتھ اپنا کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ نیز یہ اجلاس خبردار کرتا ہے کہ جامعہ حفصہ ایک دینی درسگاہ ہے‘ جس کے منتظمین کی کسی غلطی کی سزا مدرسہ کو دینے کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور جامعہ حفصہ کی جگہ کوئی اور ادارہ تعمیر کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی شدید مخالفت کی جائے گی‘ اس لئے یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ کے طور پر جامعہ حفصہ کی حیثیت بحال کرکے وہاں معمول کی تعلیمی سرگرمیوں کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

یہ اجلاس لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے آپریشن میں طوالت کے حوالہ سے ان اطلاعات کو تشویش ناک قرار دیتا ہے کہ یہ وقفہ وہاں سے لاشوں کو غائب کرنے اور وہاں اسلحہ و دیگر معاملات کے حوالہ سے اپنی مرضی کا ماحول قائم کرنے کے لئے کیا جارہا ہے‘ تاکہ دنیا کے سامنے حکومت کی مرضی کے مطابق اس کی تصویر پیش کی جاسکے‘ یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ لاشوں اور زخمیوں کے بارے میں غیر جانبدار حلقوں کی تصدیق کے ساتھ صحیح کوائف قوم کے سامنے لائے جائیں‘ کیونکہ مسلمہ طور پر غیر جانبدار حلقوں کی تصدیق کے بغیر حکومت کے یکطرفہ اعلانات اور اعداد وشمار کو اس سلسلہ میں قبول نہیں کیا جائے گا‘ یہ اجلاس المناک سانحہ کے سلسلہ میں قوم کے جذبات سے پوری طرح آگاہ اور اس سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں ۱۳/ جولائی کو ملک بھر میں یوم احتجاج منایا جائے گا‘ علماء کرام خطبات جمعہ میں لال مسجد کے خلاف مسلح آپریشن کی مذمت کریں اور مختلف طبقات پرامن طور پر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کریں گے‘ جب کہ ملک کے اہم شہروں میں وفاق المدارس کے تحت تحفظ مدارس دینیہ کنونشن مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق منعقد کئے جائیں گے:

۱۶/ جولائی بروز پیر لاہور‘	۱۹/ جولائی بروز جمعرات اسلام آباد‘
۲۶/ جولائی بروز جمعرات پشاور‘	۲۸/ جولائی بروز ہفتہ مظفرآباد‘
۲/ اگست بروز جمعرات کراچی‘	۹/ اگست بروز جمعرات کوئٹہ۔

ان کنونشنوں سے اکابر علماء کرام اور زعماء خطاب کریں گے اور دینی مدارس کی آزادی‘ خودمختاری اور جداگانہ تشخص کی جدوجہد کے سلسلہ میں اہم اعلانات کئے جائیں گے۔

مجلس عاملہ کی طرف سے پورے ملک میں وفاق المدارس کے اراکین عاملہ اور مسؤلین کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ فوری طور پر ذمہ دار حضرات کے اجلاس طلب کرکے ۱۳/ جولائی کے یوم احتجاج اور مذکورہ بالا کنونشنوں کے پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے لائحہ عمل طے کریں اور اس کا اہتمام کریں۔

یکم شعبان تا 19 رمضان المبارک

بمقام دار العلوم مدنیہ رسول پارک ملتان روڈ لاہور

دورۂ تفسیر قرآن

باسلوب امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی

حضرت مولانا شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ

نہایت شرح وبسط سے پڑھائیں گے انشاء اللہ

موضوع سورۃ، دعاوی، دلائل، ہر سورۃ کا ماحصل، سورتوں کا باہمی ربط
احکام واستنباط، اعتبار وتاویل، سیاست، امامت وخلافت

پیش آمدہ جدید فقہی مسائل ودیگر اہم مباحث کے ساتھ حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب کی اعجاز الصرف واعجاز النحو کا تکرار اور عربی قواعد کے تحت قرآنی الفاظ کے صیغے اور مشکل آیات کا نحوی ترکیبی حل۔ نیز علم میراث میں نظم الفرائض (تلخیص رسالہ سراجیہ)

ضروری وضاحت

طالب علم درجہ رابعہ کی تعلیم حاصل کر چکا ہو، طالبہ عالیہ کی تعلیم حاصل کر چکی ہو۔ ہر ہفتہ کے خواندہ کا تحریری امتحان ہوگا۔ مدرسہ سے تعلیمی تصدیق نامہ اور قومی شناختی کارڈ ذاتی / والد / سرپرست ہمراہ لائیں۔ طالبات کے لئے انتہائی محدود داخلہ ہے۔

اجمالی تعارف دار العلوم مدنیہ لاہور

☆ دار العلوم مدنیہ کی مسجد کا سنگ بنیاد ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق 14 اکتوبر 1977ء بروز اتوار وقت کے مشاہیر علماء کرام ومشائخ عظام کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔

☆ ابتدائی پانچ سال بانی مدرسہ حضرت مولانا محبّ النبی صاحب زید مجدہ تمام تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں تنہا سرانجام دیتے رہے۔

☆ 1996ء، 1417ھ کو شعبان اور رمضان میں دورۂ تفسیر کا آغاز ہوا جو مسلسل جاری ہے۔

☆ ۱۴۲۶ھ میں دار العلوم کا وفاق المدارس سے الحاق کرایا گیا

☆ دس سال کی قلیل مدت میں دار العلوم علمی ترقی کی منازل طے کر کے موقوف علیہ تک جا پہنچا۔

☆ دار العلوم میں داخل طلباء کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے۔

☆ دار العلوم میں مقیم طلباء کو رہائش، طعام، لباس، علاج، درسی کتب، بستر وغیرہ تمام سہولیات مدرسہ کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

منجانب: اراکین دار العلوم مدنیہ رسول پارک لاہور فون: 042-7832305 0321-4110310

پہنچنے کا راستہ: یادگار چوک سے مانگا والی ویگن، اسٹیشن سے ویگن نمبر 9 کوکا کولا موڑ، مغرب کی طرف گلی میں

قرآنی علوم کے متعلق علمائے امت کے قابل تحسین کارنامے

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری
اردو ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

قرآن کریم اللہ کی وہ کتاب ہے جس کے متعلق خود باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وانه لکتاب عزیز لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل حکیم حمید﴾ (حم سجدہ:۴۲)

ترجمہ:۔''اور وہ کتاب ہے نادر، اس پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی۔''

اور یہ واقعی ایسی کتاب ہے جس نے انسانی عقل کو حیرت میں ڈال رکھا ہے اور بڑے بڑے حکماء، فصحاء، عارف اور دانشوروں کو مسحور کر دیا ہے جس کے نظم میں موجود عجیب تناسق وترتیب اور اس کے عاجز کر دینے والے بیان کے آگے بڑے بڑے فصحاء کی جبین نیاز خم ہے بلکہ اس قرآن نے تو اپنی آب وتاب اور حیرت انگیز رونق سے عقول کو گویا مسخر کر لیا اور اس کی گراں مایہ حکمتوں اور دقیق اسرار نے بڑے بڑے حکماء کو چہروں کے بل گرا دیا اس لئے کہ ان حکمتوں تک کی ان کی عقل وسمجھ کبھی رسائی نہ حاصل کر سکتی تھی بلکہ ان حکمتوں کی بلندیوں تک پہنچنے سے ان کے افکار اور ان کے ادراکات عاجز تھے، بڑے بڑے اہل معرفت اس کے معارف وحقائق کے سمندر میں غوطہ زن رہے لیکن اس کے دقیق اسرار تک پہنچنے سے اس کی بھاری موجوں نے ان کو تھکا دیا اور ان کو پانے سے پہلے ہی ان کی امیدیں ڈھیر ہوگئیں علماء امت اور فقہائے ملت نے اس کی گہرائیوں میں غور وخوض کیا اور امت کے لئے عمدہ اور قیمتی مگر چھپے ہوئے موتی اور جواہرات نکالے جس کے نتیجہ میں گویا کہ یہ قرآن نظام عالم کے سر کا تاج اور ہر ہر زمانے کی تہذیب وثقافت کے ماتھے کا حسین جھومر بن گیا۔

قرآن کریم تو وہ عظیم کتاب ہے جس کو باری تعالیٰ شانہ نے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا اور اس کی

توصیف یوں فرمائی کہ:

﴿کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولو الالباب﴾ (ص:۲۹)

ترجمہ: یہ ایسی کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری (آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) طرف، برکت والی تا کہ غور وفکر کریں لوگ اس کی آیتوں میں اور تا کہ عبرت حاصل کریں عقل والے۔

اسی طرح فرمایا کہ:

﴿وانہ لکتاب عزیز لایأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید﴾ (حم سجدہ:۴۲)

ترجمہ:۔''اور وہ کتاب ہے نادر، اس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے، اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی طرف سے۔''

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

﴿اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھاً مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ﴾ (زمر:۲۳)

ترجمہ:۔''اللہ نے اتاری بہتر بات، کتاب آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی، بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف مائل ہوتے ہیں۔''

اور فرمایا کہ:

﴿وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین﴾ (شعراء:۱۹۲تا۱۹۵)

ترجمہ:۔''یہ قرآن ہے اتارا ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنادینے والا کھلی عربی زبان میں۔''

اور فرمایا کہ: ﴿وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم﴾ (شوریٰ:۴)

ترجمہ: اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے برتر مستحکم۔

کائنات کے فصیح وبلیغ انسان حرف ضاد کو سب سے زیادہ واضح طور پر ادا کرنے والے، جن کو حکمت وفراست اور واضح کلام وخطاب مرحمت کیا گیا، جو گذرے اور آئندہ تمام زمانوں میں آنے والے سب لوگوں پر علمی برتری وتفوق کے حامل، خدائے پاک کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے اور مخلوق میں خداوندتعالیٰ کے اسرار وحکم کے متعلق سب سے زیادہ گہری بصیرت سے سرفراز، رسولوں کے سردار اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ

نے قرآن پاک کی توصیف کچھ اس طرح بیان فرمائی کہ اس کے بعد اس کی تعریف میں کسی بڑھنے والے کے لئے کوئی انتہا نہ چھوڑی چنانچہ فرمان عالیشان ہے کہ:

''قرآن کریم اللہ کی وہ کتاب ہے جس میں تم سے پچھلوں اور تم سے اگلوں کے متعلق اہم خبریں ہیں، اس میں تمہارے آپس کے معاملات کے متعلق فیصلے ہیں' یہ خدا کا واضح اور فیصلہ کن کلام ہے جس میں کچھ مذاق نہیں جس متکبر نے اس کو چھوڑا خداوند تعالیٰ نے اس کو تباہ کیا، اور جس نے اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں ہدایت تلاش کی اللہ نے اس کو گمراہ فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی اور ذکر حکیم ہے' یہ صراط مستقیم ہے کہ اس کے مطابق عمل پیرا ہونے میں خواہشات نہ بھٹکیں گی اور زبانیں التباس نہ کھائیں گی' علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور کثرت سے پڑھے جانے کے باوجود یہ پرانا نہ ہوگا اور نہ اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم ہوں گے یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کو سن کر جن بھی رک نہ سکے اور بول پڑے:

﴿انا سمعنا قرآنا عجباً یهدی الی الرشد فآمنا به﴾ (جن:۱)

ترجمہ:۔''ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ راہ نمائی کرتا ہے راہ راست کی طرف نیک راہ سو ہم اس پر ایمان لائے۔''

جس شخص نے اس کے مطابق کہا، اس نے سچ کہا۔ اور جس نے اس پر عمل کیا، ماجور ٹھہرا۔ اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے، اس نے انصاف کیا۔ اور جس نے اس کی طرف بلایا، سو اس نے سیدھے راستے کی طرف رہبری و رہنمائی کی۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں حارث الاعور سے جنہوں نے حضرت علیؓ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، ذکر فرمایا ہے اور علامہ زیلعیؒ ''تخریج احادیث الکشاف'' میں اس حدیث کے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابن ابی شیبہ' اسحاق' دارمی اور بزار رحمہم اللہ نے حارث سے نقل شدہ طریق پر ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث کے لئے امام طبرانیؒ کی ذکر کردہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول روایت شاہد ہے' حاکم نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ کے حوالے سے بھی مرفوعاً ذکر فرمایا ہے لیکن یہ تمام احادیث بہر حال ضعف سے خالی نہیں۔

اور آپ نے فرمایا کہ ''قرآن مختلف معانی کا حامل ہے، ظاہری معانی اور باطنی حقائق پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے اور نہ اس کی مضامین کی انتہاء تک کبھی پہنچا جا سکے گا، جس شخص نے دل کی نرمی سے اس میں غور و فکر کیا اس نے نجات حاصل کی اور جس نے سختی سے غور و خوض کیا وہ گر پڑا، اس میں خبریں اور مثالیں' حلال و حرام' ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ اور ظاہر و باطن ہیں ظاہر تو اس کا تلاوت و قراءت ہے اور باطن اس کی تفسیر و تاویل ہے پس اس کو تھام کر علماء کی صحبت اختیار کرو اور کم عقلوں سے کنارہ کش ہو جاؤ''۔

صاحب ''اتقان'' نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق سے حضرت ابن

عباس سے نقل فرمایا ہے۔

چنانچہ اس نایاب اور سرچشمۂ قوت نازل کردہ کتاب قرآن مجید نے اپنے حسن نسق وترتیب اور اپنی بلند پایہ فصاحت وبلاغت سے عرب وعجم کے خطباء اور دنیا کے بلغاء کی کھوپڑیاں اڑادیں' ان کے گویوں کو گونگا اور ان کی چناں وچنیں کو خاموش کر چھوڑا جس کے نتیجہ میں وہ اس کی رونق وحلاوت اور اس کے شہد کے مانند شیریں اسلوب کے سامنے حیرت زدہ رہ گئے، اس کی طمانت وتپش ان میں سرایت کرگئی جس کی وجہ سے آپ ان کو نشہ میں مدہوش پائیں گے حالانکہ وہ کچھ مدہوش نہیں، اور قرآن تو ایسی قابل قدر کتاب ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وعينان قال الله كونا فكانتا فعولان بالألباب ما يفعل الخمر

ترجمہ: دوچشمے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہوجاؤ پس وہ چشمے آپس میں مل گئے اور عقلوں کے ساتھ شراب کا سا معاملہ کررہے ہیں۔

اور ذرا ولید بن مغیرہ کے اس قول کو بھی مدنظر رکھیے جب اس نے رسول اللہ ﷺ سے سورہ ''حم سجدہ'' کی ابتدائی آیات سنیں تو کہنے لگا: ''بخدا! اس قرآن میں تو ایک عجیب قسم کی حلاوت اور رونق ہے اس کا نچلا حصہ خوشہ دار اور اوپر کا حصہ سرسبز وشاداب ہے اور بیشک یہ غالب ہوگا مغلوب نہ ہوگا اور یہ اپنے نہ ماننے والوں کو ہلاک کردے گا''۔

اس کتاب کی آیات مضبوط اور حکیم وخبیر کی نازل کردہ ہیں اس کی حکمتوں کے آگے مشرق ومغرب کے حکماء تہی دست ہیں اور فقہاء عراق وحجاز، خراسان وقرطبہ کو اس کتاب نے احکام شرعیہ فقہی جزئیات ومسائل کے استنباط میں جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، فلاسفۂ زمانہ اور دانشوران اقوام قرآن کریم میں بیان کردہ تہذیب انسانیت اور قوانین تربیت کو شمار کرتے کرتے ہکلانے اور تتلانے لگے ہیں، خدا بھلا کرے شیخ علامہ محدث حافظ تقی الدین سبکیؒ کا کہ انہوں نے شیخ صلاح الدین صفدیؒ کو بعض مسائل کے متعلق جواب دیتے ہوئے قرآن کے اعجاز کے بارے میں درجہ ذیل اشعار پڑھے:

لأسرار آيات الكتاب معان تدق فلا تبدو لكل معان
وفيها لمرتاض لبيب عجائب سنا برقها يعنو له القمران
اذا بارق منها لقلبى قد بدا هممت قرير العين بالطيران
سرورا و ابهاجا وصولا على العلى كأنى على هام السماک سمانى
وهاتيک منها قد أبحت كما ترى فشكرا لمن أولى بديع بيان
وان جنانى فى تموج ابحر من العلم فى قلبى تمد لسانى
وكم من كناس فى حماى مخدر الى أن أرى أهلا ذكى جنان

فیصطاد منی ما یطیق اقتناصه — ولیس له بالشاردات یدان
منای سلیم الذهن ریض ارتوی — بکل علوم الخلق ذو لمعان
فذاک الذی یرجی لایضاح مشکل — ویقصد للتحریر عند عیان
وکم لی فی الآیات حسن تدبر — به الله ذو الفضل العظیم حبانی
بجاه رسول الله قد نلت کل ما — أتی وسیأتی دائما بأمان
فصلی علیه الله ما ذر شارق — وسلم ما دامت له الملوان

۱-قرآن کی آیات کے معانی وحقائق اتنے دقیق ہیں کہ ہر مشقت اٹھانے والے کے سامنے ظاہر نہیں ہوتے۔

۲-ان آیات میں عقل مند اور زحمت کرنے والوں کے لیے عجائبات ہیں،ان آیات کی روشنی وانوارات کے سامنے سورج وچاند جھک جاتے ہیں۔

۳-جب ان آیات کی چمک میرے دل پہ نمودار ہوتی ہے تو خوشی کی وجہ سے میرا ہوا میں اڑنے کو جی کرتا ہے۔

۴-سرور وخوشی اور اونچے مراتب تک پہنچنے کی وجہ سے گویا میں اپنے آپ کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا ہوا سمجھتا ہوں۔

۵-قرآن کی روشنیوں سے فائدہ اٹھاؤ جیسا کہ میں نے اس بات کا اظہار کیا ہے اورتم خود بھی جانتے ہو،قابل شکر ہے وہ ذات جس نے ایسا عمدہ اور بلیغ بیان اپنے ذمے لیا ہے۔

۶-میری زندگی قرآنی علوم کے سمندر میں موج زن ہے اور ان ہی قلبی علوم کی وجہ سے میں زبان درازی کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

۷-بہت سے صاف کرنے کی قابل چیزیں میرے باطن میں پوشیدہ ہیں یہاں تک کہ میں کسی اہل کو دیکھوں جو میرے دل کو پاک کر سکے۔

۸-جو شکار کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ آ کر مجھ سے حاصل کرے کیونکہ ان نامانوس نکات تک پہنچنا ہر ایک کی دست قدرت میں نہیں ہے۔

۹-میری آرزو ایسا شخص ہے جو سلیم الذہن اور محنت کش ہو،مخلوق کے علوم سے سیراب ہوا ہو اور علم کی روشنی سے چمکتا رہے۔

۱۰-ایسے شخص کے بارے میں امید کی جاتی ہے کہ قرآنی مشکلات کے واضح بیان اور تفسیر کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۱- قرآن اور اس کی آیات کے بارے میں میرے یہ اچھے افکار اللہ کی مہربانی اور فضل وعنایت کا نتیجہ ہیں۔

۱۲- جو کچھ مجھے ملا ہے رسول اللہ کی برکت سے ہی میں نے حاصل کیا ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ میرے پاس عافیت کے ساتھ ایسے علوم آتے رہیں گے۔

۱۳- جب تک ہر روشن چیز کی روشنی باقی ہے تب تک اس پیغمبر پر اللہ کی رحمت ہو اور جب تک دن رات باقی ہیں تب تک اس پیغمبر پر اللہ کی سلامتی ہو۔

ان اشعار کی حلاوت اور شیرینی نے مجھے مجبور کیا کہ میں تمام اشعار یہاں ذکر کردوں، یہ اشعار علامہ سبکیؒ کے صاحبزادے بہاء الدین سبکیؒ نے "عروس الافراح شرح تلخیص المفتاح" میں ذکر فرمائے ہیں۔

حاصل یہ کہ باری تعالیٰ کا یہ کلام فصاحت وبلاغت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور علوم ومعارف اور حقائق واسرار میں عالی شان ہونے کی وجہ سے گویا اتنا بعید المرتبہ ہے جس تک پہنچنے سے خالص عربی تیز دوڑنے والا اونٹ اور مہاری اونٹ (مہرہ بن حمیۃ کا وہ تیز رفتار اونٹ جو دوڑنے میں مشہور تھا) قاصر ہے اسی طرح نظام عالم کے متعلق مختلف احکام، انسانیت کی تربیت ان کے اخلاق کی تہذیب اور قلوب وارواح کی پاکیزگی سے متعلق دیگر کئی قوانین کے سلسلہ میں اتنا بلند مقام رکھتا ہے کہ نظر وفکر کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں اور اسی طرح انوکھی معلومات، مختلف عجائبات پر مشتمل اور دیگر کئی خصائص اور امتیازات کا حامل ہے، یہی وجہ ہے ملت اسلامیہ کے فضلاء نے اپنی مبارک زندگیاں اور پاکیزہ لمحے قرآن کریم کے مختلف اسرار وحکم کی تلاش اور ان کے واضح کرنے میں گزار دیے اور الفاظ قرآنی کے محاسن سے حاصل شدہ دلائل عظمت کو بیان فرمایا امت محمدیہ کے انہی اکابر نے اپنی کامیاب کوششوں کو قرآن کریم کے متعلق خرچ کیا اور اس کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر لعل وجواہرات نکالے اور ان مختلف حاصل شدہ جواہرات کو کتابوں کی صورت میں منظم ومرتب کردیا۔

(جاری ہے)

ملفوظ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

تقدیر نے مسلمانوں کو بہادر بنادیا ہے:

تہذیب: تقدیر نے مسلمانوں کو بہادر اور شیر دل بنادیا ہے، جو شخص تقدیر کا معتقد ہے وہ ادنی درجے کی تدبیر سے بھی کام شروع کردیتا ہے۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ اور

چند فروعی اختلافی مسائل میں ترجیحی معیار

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

قرآن کریم کے معانی‘ مطالب‘ احکام کی حکمتوں اور مراد خداوندی تک پہنچنے اور ان کو بیان کرنے کی سعی وکوشش کا نام ”تفسیر“ ہے۔قرآن کریم کی تفسیر کو ہمہ وقت وہمہ جہت مشغلہ بنانے والے سلف صالحین کی تعداد یوں تو بے شمار ہے‘ مگر پاکستان میں اس عنوان سے جن ہستیوں نے مقبولیت عامہ کا اعزاز حاصل کیا ہے‘ ان میں سے شیخ التفسیر حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوریؒ‘ امام الموحدین حضرت مولانا حسین علیؒ اور ان کے اجل تلامذہ میں سے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ‘ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ، حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ‘ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ سرفہرست ہیں۔

ان اکابر کی تفسیری خدمات اور علمی وروحانی فیض آفتاب نیمروز کی طرح محتاج تذکرہ وتعارف نہیں تاہم ان کی خدمات ،ان کی حیات طیبہ اور ان کی دینی‘ علمی وروحانی زندگی میں گرانقدر اصول وآداب کا جو خزینہ پنہاں ہے‘ بلاشبہ انہیں آئندہ آنے والی نسلوں تک پہنچانا ہمارے ذمہ قرض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر کی تفسیری خدمات پر ”تفسیر قرآن“ کے مفہوم کا اطلاق ہوسکتا ہے‘ تفسیر قرآن کے منصب سے وابستگی کے لئے بہ قدرے کفایت جو علوم وفنون اور خصائص ومحامد از بس ضروری ہیں بحمد اللہ! یہ اکابر ان علوم وخصائص سے آراستہ تھے‘ حضرت لاہوریؒ کا فضل وتقدم ایک واشگاف حقیقت ہے‘ حقیقت پسند اور معتدل مزاج اغیار بھی معترف ہیں۔

اسی طرح حضرت درخواستیؒ ،حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کا تفسیر وحدیث علم‘ عمل اتقاوزہد میں مرتبہ ومقام بھی انصاف پسند حلقوں میں مسلم ہے۔ان اکابر کی شخصیات وخدمات پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں صفحات لکھے جائیں تو بھی ان کی خدمات کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔میرے پیش نظر اس وقت مذکورہ اکابر میں سے صرف ایک بزرگ حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کا کچھ تذکرہ اور ان کے بعض افکار پر طالب علمانہ تبصرہ کرنا ہے۔

علمی رسوخ، غلبۂ توحید، عشق الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ میں جو درجہ اللہ تعالیٰ نے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کو عطا فرما رکھا تھا، وہ آپ کی پہچان تھا اور آپ کا ہر قول وعمل اس کا گواہ تھا، مگر افسوس کہ شیخ القرآنؒ کے وسیع حلقے میں محدود فکر وعمل کے حامل کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوگئے تھے، جنہوں نے حضرت شیخ القرآنؒ کے وصال کے بعد بلکہ ان کی حیات میں ہی یہ باور کرانا ضروری جانا کہ حضرت شیخ القرآنؒ اپنی سوچ وفکر، عقیدہ وعمل اور شخصیت وکردار کے اعتبار سے ایک محدود دائرہ کے فرد ہیں، چنانچہ بعض جزوی مسائل میں اپنے ذاتی رجحانات کے لئے حضرت شیخ القرآنؒ کو بطور ڈھال کے پیش کرنا، ان کا وطیرہ رہا ہے۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ حضرت شیخ القرآنؒ ایک حقیقت پسند انسان تھے، انہوں نے جہاں بھی حقیقت دیکھی، اخلاص وللٰہیت کے ساتھ اسے قبول کیا، اس حقیقت پسندی کی ایک واضح مثال مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں آپ کی زیر دستخطی وہ وضاحت ہے، جس سے آپ کی حقیقت پسندی اور معتدل مزاجی کے علاوہ راسخ الاعتقادی عیاں ہوتی ہے، اسی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اور ان کے کردار وفکر کو میزان ومعیار قرار دیتے ہوئے ان نزاعات سے جان چھڑائی جاسکتی ہے جو علماء دیوبند کی طرف منسوب طبقوں میں پائے جاتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شعبان ۱۴۱۷ھ میں ہمارے ہاں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دورۂ حدیث کے طلباء جو اس وقت دورۂ تدریبیہ پڑھ رہے تھے، ان کو درس دیتے ہوئے مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہم حضرت شیخ القرآنؒ کے متوسلین ومنتسبین سے از راہ صلح واصلاح یہی عرض کرتے ہیں کہ آیئے! حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے عقائد وافکار پر ہم بھی دستخط کرتے ہیں اور آپ بھی دستخط کردیں، سارا جھگڑا یکسر ختم ہوسکتا ہے۔''

حضرت شیخ القرآنؒ کے معیاری عقائد کیا تھے، یا یہ کہ مختلف فیہ مسائل میں ترجیحی معیار کیا ہوسکتا ہے؟ بقول حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی قدس سرہ وہ مسئلہ حیات النبی ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات اور سماع کا معاملہ ہے، جو سلف صالحین اور اکابر دیوبند کی تعبیرات وقیودات کے ساتھ ایک مسلمہ قابل اعتقاد حقیقت ہے۔

جبکہ عام اموات کا ''سماع'' تو خیر القرون سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور جس مسئلہ کا اختلاف ''اعمق الخلق علماً'' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے چلا آرہا ہو، اسے حل کرنا یا ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں، بلاشبہ یہاں پہنچ کر عجز کا اظہار ہی سلامتی وعافیت کا راستہ ہے، کیونکہ ایک مسلمان کے لئے اس سے عجیب تر بات کیا ہوگی کہ جس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہو، اس کو چودھویں صدی کا ایک مسلمان ختم کرانے کے لئے منصب قضا پر بیٹھ کر، بحیثیت قاضی وفیصل اس کے حل کرنے کے لئے کسی ایک پہلو کو درست اور دوسرے کو غلط قرار دے، میرا ایمان ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو معیار حق

وایمان ماننے والا کوئی مسلمان اس کی جسارت نہیں کرسکتا۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ان نجوم ہدایت میں سے کسی ایک کی پیروی اختیار کرلے اور اپنی رائے کے برعکس رائے رکھنے والوں کی تکفیر وتفسیق نہ کرے‘ بلاشبہ ایسا انسان ہدایت یافتہ اور سچا مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔

مزید یہ کہ ہر فریق کی رائے کی طرح اس کی دلیل اور وجہ ترجیح کو اس کی فطری وشرعی آزادی کے طور پر قابل احترام جانا جائے۔

ہاں اگر مخصوص حالات وواقعات کے پیش نظر کبھی کسی فریق نے کسی ایک رائے کو اختیار کرتے ہوئے اس کی تعلیم وتبلیغ کی ہو‘ تو اس زمانے کے مخصوص احوال وظروف کے تحت اس رائے کو اختیار کرنے کو بھی وجہ ترجیح قرار دیا جاسکتا ہے‘ مثلاً برصغیر پاک وہند میں جو معاشرتی سلسلے جاری ہیں ان میں ہندوانہ رسم ورواج اور عادات واطوار کا عنصر کافی حد تک پھیلا ہوا تھا‘ ہندوستانی معاشرہ نظریاتی وعملی اعتبار سے شرک وبدعت اور بت پرستی کے گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا اور اس معاشرہ میں جو مسلمان آباد تھے وہ بھی شعوری یا لاشعوری طور پر بدعات ورسومات اور شرکیات حتی کہ بت پرستوں کی طرح قبر پرستی میں پڑ چکے تھے‘ اس میں ناسمجھی اور جہالت کے عنصر نے بہت کمال کا مظاہرہ کیا‘ یہاں تک کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اسلامی سوچ وفکر اتنی پراگندہ ہوگئی تھی کہ وہ بت پرستوں کی طرح اولیاء اللہ میں خدائی صفات ماننے کو بھی ایمان کے منافی نہیں جانتے تھے‘ بلکہ خدائی صفات کو عام بندگان خدا میں تسلیم کرنے کو بھی وہ حقیقی ایمان تصور کرنے لگے تھے‘ چنانچہ اسی نظریہ اور عقیدہ کے تحت اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کی قبروں پر بھی جانے لگے تھے‘ اگر ایسے حالات میں ان فاسد بلکہ باطل نظریات کے انسداد کے لئے اور سد اللذرائع کے تحت اولیاء اللہ یا عام اموات کے سماع کو مرجوح اور عدم سماع کو راجح کہا گیا ہو تو میرے خیال میں اس کی گنجائش تسلیم کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہونی چاہئے۔ ہمارے جن اکابر دیوبند کی بعض تحریرات سے ان کی طرف عدم سماع کا رجحان منسوب ہے‘ اس کی حقیقت محض سد ذریعہ کے طور پر ہوسکتی ہے‘ اس سے اس بات پر اصرار کی گنجائش نہیں سمجھنی چاہئے کہ اکابر دیوبند میں سے کچھ اکابر عدم سماع کے قائل اور اس کے راجح ہونے پر مصر تھے۔

اس کے برعکس آج کا ہمارا دور شعور‘ بیداری اور روشن خیالی کا دور سمجھا جاتا ہے، اس دور میں مسلمہ مذہبی روایات اپنانے والے کو بھی دقیانوسی کے طعنے سہنے پڑتے ہیں‘ چہ جائیکہ کوئی ذی شعور آدمی غیر فطری ہندوانہ افکار کا حامل بننا پسند کرے‘ بلکہ معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات پر ایمان بھی کمزور ہوتا جارہا ہے اور روشن خیالی کے نام پر بے دینی ودھریت کا فروغ ہورہا ہے‘ حق تعالیٰ شانہ کی ذات اقدس کے بشمول ہر غیر مرئی پوشیدہ حقیقت کا انکار کیا جارہا ہے‘ ڈپٹی نذیر احمد اور سرسید احمد خان کی ذریت میں نیا شباب آرہا ہے‘ کہیں کیپٹن عثمانی کے نام سے عذاب قبر وغیرہ جیسے مسلمہ منصوص مسائل کا انکار ہورہا ہے اور کہیں جماعت المسلمین اور سلفیت کے نام پر لامذہبیت، تجدیت اور سلف بیزاری کا طوفان زوروں پر ہے‘ غرضیکہ اس طرح کے بے شمار فتنے آئے دن امت مسلمہ کے متفق علیہ مسائل کو مختلف فیہ بنا کر عوام میں بے چینی‘ تشویش اور

شک وشبہ کی فضا عام کررہے ہیں‘ مسلمہ حقائق کے متعلق اس قسم کے شوشے زیادہ مؤثر ہوں یا نہ ہوں اتنا اثر تو بہرحال ہوتا ہی ہے کہ ایک ناپختہ ذہن انسان، ان متفقہ مسائل کو اختلافی مسائل سمجھنے لگتا ہے اور ہمارے عوام کا عام مزاج یہ ہے کہ اختلاف کے لیبل سے گھبراتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں‘ اس سے مزید آگے یہ بھی ہوتا ہے کہ اختلاف کے نام سے گھبرا کر شریعت کے طے شدہ اور ثابت شدہ مسائل کا انکار کرنے لگ جاتے ہیں‘ ماضی قریب میں اسی نوعیت کا کچھ برتاؤ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ کئی صدیوں تک اس مسئلہ میں مروجہ اختلاف تھا‘ نہ اس کے رد وقدح کی ضرورت محسوس ہوئی‘ برا ہو افراط وتفریط کا کہ گذشتہ نصف / پون صدی سے بعض لوگوں میں یہ راز کھلا‘ یا انہوں نے ضرورت محسوس فرمائی کہ عقیدۂ توحید کی اشاعت اور سنت نبوی کی ترویج کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً نبی اکرم ﷺ کی اپنی اپنی قبروں میں حیات کا انکار ضروری ہے‘ اس کے بغیر توحید بیان نہیں ہوسکتی‘ چنانچہ ایک طبقہ حیات انبیاء جیسے متفقہ مسئلہ کو مختلف فیہ بنا کر گلی کوچوں، بازاروں اور چوکوں تک لے گیا۔

اب اسی قسم کے طرز عمل کا سامنا عذاب وثواب قبر کے مسئلہ کو ہے‘ اس وقت کئی ریٹائرڈ کیپٹن اور کئی علامے قبر کی زندگی سے اس طور پر انکاری ہیں کہ اس گڑھے میں میت کو عذاب وراحت نام کی کوئی چیز پیش ہی نہیں ہوتی‘ عقل وہویٰ پرستی کا اس میں بنیادی کردار ہے‘ بایں طور قبر کے عذاب اور راحت کے مسئلہ کو بعض ڈراؤنا یا سہانا خواب باور کرانے والوں کا جتھا اس وقت طوفانی گردش میں ہے‘ ایسی صورتحال کے پیش نظر قبر کی زندگی وہاں کی راحت وآرام‘ سزا وتکلیف اور جسدِ عنصری اور روح کے درمیان تعلق وربط اور ان کے لوازمات کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے ان عقائد وافکار کو ترجیح دی جائے جو برزخی حیات اور اس کے لوازمات پر مشتمل ہوں اور موجودہ فکری ونظریاتی بے راہ روی کے انسداد جیسے مقاصد کو اس رائے کے لئے وجہ ترجیح بنایا جائے تو یقیناً یہ اتباع سلف ہی کہلائے گا۔

بنا بریں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ برزخی زندگی اور اس کے لوازمات کو اس دور میں خواب اور افسانہ قرار دیا جارہا ہے‘ اس لئے ایسے فتنوں کے انسداد کے لئے ان تمام نصوص‘ قرائن اور دلالتوں کو راجح قرار دیا جائے جن سے برزخی حیات کی حقیقت مترشح ہورہی ہو‘ منجملہ ''سماع موتیٰ'' کا مختلف فیہ مسئلہ بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اختلافی مسئلہ میں بالخصوص جو حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہو‘ اس کے کسی ایک پہلو کو عصری وزمانی احوال کی بناء پر راجح مانا اور کہا جائے تو یہ عین اہتداء واقتداء سلف ہے اور یقیناً اتباع سلف اور پیروی شرع ہونے کی بناء پر باعث اجر وثواب بھی ہے۔ لقولہ ﷺ ''اصحابی کالنجوم بایهم اقتديتم اهتديتم''

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف انفرادیت اور تفرد کی نسبت کے لئے تیسرے یا دوسرے جس مسئلہ کو وجہ قرار دیا جاتا ہے‘ وہ دعاء میں اولیاء اللہ اور صلحاء امت کے ''وسیلہ'' کا مسئلہ ہے ''وسیلہ'' کی حقیقت اور اس کا تشریعی مقام کیا ہے؟ ان تفصیلات میں جانے کی حاجت ہے نہ موقع‘

یہاں نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ ''توسل بالصلحاء'' کے معاملہ میں افراط وتفریط سے بچا جائے تو اختلاف وانتشار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی جو حضرات دعاء میں توسل کے قائل ہیں (بشروطہ وآدابہ) ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ''توسل'' کو دعاء کا لازمی اور ضروری حصہ اس طور پر قرار دیتا ہو کہ ''توسل'' کے بغیر دعاء قبول ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جن ذوات سے توسل ہو رہا ہے ان کا حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تصرفات ومشاورت کا ایسا اشتراکی تعلق ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے ان بندوں کے وسیلہ کو ماننے کے لئے العیاذ باللہ! مجبور ہو جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں ان کے ہاں ''وسیلہ'' کا حکم درجہ یا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کی کوتاہی اور گناہوں کی بہتات پر شرمساری اور عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ یا اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے مقرب صالح بندے اور اس کے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنائے جس کے تقرب وصلاح میں امت مسلمہ کے خواص وعوام کی شہادتیں موجود ہوں تو اس نوع ''توسل'' کو اللہ رب العزت اور اس کے بندوں کے درمیان لازمی وضروری وسیلہ ورابطہ کا اعتقاد قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ جن اکابر ومشائخ کے ہاں جائز توسل کی جتنی بھی جائز صورتیں مروج ومعروف ہیں، ان تمام صورتوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ استحباب اور ندب کا قول منقول ہے یعنی عموماً یہ حضرات توسل کو جائز ومباح ہی کہتے ہیں، اگر کسی نے مزید شدت سے کام لیا تو اسے استحباب کے درجہ تک پہنچا دیا، اس سے بڑھ کر فرض یا واجب کا قول کسی سے بھی منقول نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کے لزوم پر اصرار کرتا ہے جب ''توسل'' کو جائز ماننے والوں کے ہاں ''توسل'' کی حقیقت یہی ہے تو اس کی نفی کرنے والے حضرات سے یہ درخواست بھی بجا ہے کہ ''توسل'' کی نفی کرتے وقت اپنے رویے کی درشتی وسختی سے یہ تاثر عام نہ فرمایا کریں کہ توسل کے قائلین، توسل کو فرض کے درجہ میں سمجھتے ہیں، جس کی بنیاد پر وہ حرام کے مرتکب ہیں، بلکہ ہمارا حسن ظن تو یہ ہے کہ ''توسل بالصلحاء'' کی نفی کرنے والے حضرات میں سے بھی کوئی سنجیدہ صاحب علم اور ذی شعور آدمی ''توسل'' کو ''حرام'' کے درجہ میں ممنوع نہیں مانتا ہوگا، کیونکہ ''حرام'' حضرات فقہاء اور معاجم فقہیہ کے مطابق ایک خاص اصطلاح ہے جس کا عمومی اطلاق اس ممنوع کے ارتکاب پر ہوتا ہے جس کی حرمت وممانعت نص قطعی یا کم از کم خبر متواتر سے ثابت ہو، جبکہ زیر بحث مسئلہ قطعاً ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجوزین کی رائے گرامی بھی کئی شرعی دلائل پر قائم ہے۔ نیز بلاشبہ نفی کرنے والوں کے پاس بھی دلائل ہیں، ایسی صورتحال میں اہل علم کا شیوہ یہ رہا ہے کہ مختلف فیہ مسئلہ کے اختلافی پہلوؤں کے دلائل کو تقویت وترجیح کے معیار پر رکھ کر کسی مدلل رائے کو ترجیح دیدی جائے تو ترجیح کے اس مرحلہ سے گزرنے والے کو طعن وتشنیع اور ملامت سے محفوظ قرار دیا جاتا ہے۔

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ''نجد'' کے علماء کرام ومشائخ عظام کی آراء وافکار اور حجج واستدلالات پر انحصار کرنے کی بجائے اگر ''المهند على المفند'' جس پر جمہور علماء دیوبند کی توثیقات وتصدیقات ثبت ہیں، پر اعتماد کرلیں تو عقل ونقل کا عین تقاضہ ہوگا، کیونکہ ہم سب ہی معقولات ومنقولات میں اکابرین دیوبند

(بالخصوص جو "المهند علی المفند" کے مؤیدین میں سے ہیں) انہی کو اعتماد واستناد کے درجہ پر رکھتے ہیں، اگر زیر بحث جزوی مسئلہ میں بھی ان کی رائے گرامی کو قابلِ اعتماد اور لائق احترام مان لیا جائے تو مخاصمت کی کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہے گی، کیونکہ "توسل" کی نفی فرمانے والے اہل علم میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو "توسل بالصلحاء" کی نفی کو عقیدۂ توحید اور اشاعت توحید کے درجہ میں فرض جانتا ہو۔

باقی "توسل" کے حوالہ سے حضرت شیخ القرآنؒ کی طرف اپنی رائے میں انفرادیت کی نسبت کا جہاں تک تعلق ہے، اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ غلبۂ توحید اور عشق الٰہی ان کا عذر تھا اور ان کی یہ رائے توحید سے مغلوب الحال ہوکر اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر قائم تھی، اسے سرحد کے پہاڑوں کی سختی وشدت یا پنجاب کے صحراؤں وبازاروں کی بے باک وآزادانہ وسعتوں کے تناظر میں قطعاً نہیں دیکھنا چاہئے۔

ان مذکورہ مسائل کے علاوہ بعض اور غیر اہم جزوی مسائل بھی ہیں جن کی وجہ سے حضرت شیخ القرآن نور اللہ مرقدہ یا ان کے بعض خوشہ چینوں کو شدت پسندی اور تفرد کا مورد ٹھہرایا جاتا ہے، اگر ان مسائل پر اپنی توانائیاں اور وقت صرف کرنے سے پہلے ان مسائل کی شرعی ومعاشرتی ضرورت وافادیت کا جائزہ لے لیا جائے تو عین ممکن ہے کہ ان مسائل میں وقت صرف کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ مثال کے طور پر فرائض یا عام سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کے عنوان پر مناظروں، مباحثوں میں صلاحیتیں صرف کرنا اور پھر تھک ہار کر منصب افتاء سنبھال کر تضلیلی فتووں کا سلسلہ شروع کردینا ہمارے خیال میں اس دور کے ان قومی وعالمی مسائل اور ضرورتوں میں سے نہیں ہے جس کے لئے ہماری مسلم قوم نے ہمیں تیار کیا تھا۔

اس مناسبت سے مجھے اپنے بزرگ صاحب علم وحکمت استاد حضرت مولانا محمد انور بدخشانی مدظلہم العالی کی وہ نصیحت یاد آرہی ہے جو انہوں ۱۴۲۴ھ کے تعلیمی سال کے اختتام کے موقع پر دورۂ حدیث کے فضلاء کرام سے فرمائی تھی، بعض حضرات سے پیشگی معذرت اور معذرت کی فوراً واپسی کے ساتھ فرمایا تھا کہ آپ لوگ (فضلاء کرام) یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں جاؤ گے، تم لوگوں نے وہاں جاکر دین پھیلانا ہے، دین کے نام پر فتنہ انگیزیاں نہیں کرنی، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت بدخشانی مدظلہم نے اپنے مخصوص انداز میں یگانہ تعبیرات کے ساتھ فرمایا کہ: آپ لوگ جب اپنے اپنے گاؤں جاؤ گے اور وہاں تمہیں نماز کے بعد سنتوں کے بعد دعاء کرنے اور نہ کرنے کے تنازعات کا سامنا ہوگا، ایسے تنازعات کا باعث یا داعی وفریق بننا یہ شرانگیزی ہوگی، کیونکہ آپ جذبات سے مغلوب ہوکر فوراً اپنے مخالفین کی طرف کفر کی توپیں سیدھی کرلیں گے، جس کے نتیجہ میں ان کی ہدایت واصلاح ہونے کی بجائے اپنا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ: دیکھو! فرض یا نفل نمازوں کے بعد دعاء کے قائلین اس کو فرض یا واجب نہیں کہتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہونے کے قائل ہیں اور بقول منکرین دعاء کہ: یہ عمل بدعت ہے، اس بدعت کے ازالہ کے نام پر آپ اپنے خاندان، گاؤں اور محلّہ میں جنگ وجدال اور شر وفساد کا بازار گرم کردیں تو یہ فتنہ کہلائے گا، جس کی سنگینی قتل سے بھی

بڑھ کر ہے اور حرام ہے، کسی مکروہ کے ازالہ کے لئے حرام کا ارتکاب کرنا دعوت وتبلیغ اور دین کی نشر واشاعت کی کون سی قسم کہلائے گی؟

الغرض کسی ایک بدعت یا مکروہ کے ازالہ کے لئے کئی منکرات ومحرمات کا ارتکاب کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے اگر ایسے مسائل کو فی الوقت موقوف کر کے امت مسلمہ کے کسی ایسے مسئلہ پر اپنی علمی توانائیاں صرف کی جائیں جس کا تعلق حلال وحرام، قومی وعالمی درپیش ضروریات سے ہو تو ہمارا خیال ہے کہ امت مسلمہ کے حق میں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا اور یہ طرز عمل ''الاہم فالاہم'' کے فطری اصول کے عین مطابق ہوگا۔

لیکن اس گزارش کا یہ مفہوم بھی نہیں لینا چاہئے کہ حلال وحرام کے قضایا اور قومی وبین الاقوامی مسائل کو جدید دور کے جدید تقاضوں کے مطابق حل کرنے کے لئے دینی مسلمات اور شریعت کے زیر دائرہ امت مسلمہ کے ہاں معمول بہا مسائل کو بھی سرے سے ''لامساس'' کے زاویے کے پیچھے پھینک دیا جائے، جیسا کہ ایک زمانہ میں صرف سنتوں اور نفلوں کے بعد اجتماعی دعاء کے بدعت ومستحب ہونے میں تنازعات ہوتے تھے مگر اب تو بہت ساری مسجد میں فرض نمازوں کے بعد اجتماعی ذکر واذکار اور دعاء کے لئے بھی بعض لوگ نہیں بیٹھتے، بلکہ سلام پھیرتے ہی زمانے کی تیز رفتاری میں شامل ہونے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، حالانکہ فرض نمازوں کے بعد دعا تو امت مسلمہ کے معتد بہ طبقے کے ہاں معمول بہا ہے اور اس امت مسلمہ میں ایسے علماء صلحاء اتقیاء اور اہل اللہ شامل وشمار ہیں جو عقیدہ توحید، اتباع سنت، خوف وخشیت الٰہی اور علم وعمل ہر چیز میں ہم اور ہمارے معاصرین سے بدرجہا افضل واعلیٰ اور بہتر وبرتر تھے، بایں معنی یوں کہا جاسکتا ہے کہ سنتوں اور نفلوں کے بعد اجتماعی دعاء کے لئے اصرار نہ کیا جائے اور فرض نمازوں کے بعد دعاء کا انکار نہ کیا جائے یہی راہِ اعتدال ہے۔

اس مناسبت سے مجھے حضرت علامہ محمد عبد الستار تونسوی دامت برکاتہم کی ایک قرین عقل ودانش نصیحت بھی یاد آئی جو اس نوعیت کے مسائل میں بہترین حکم کا درجہ بھی رکھتی ہے، حضرت تونسوی صاحب ہمارے ہاں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں سالانہ دورۂ تدریبیہ کے دوران عموماً دورہ تدریبیہ کے شرکاء سے فرمایا کرتے ہیں کہ: ''بھائی! حضرات اکابر علماء دیوبند جن کی امانت، دیانت، تدین، تفقہ، تقویٰ اور عقیدہ وعمل پر ہمیں اعتماد ہے، ان علماء دیوبند کا قافلہ جس سمت ورخ پر جس مسلک ومشرب پر چلا جارہا ہے، تم بھی اس قافلے کے پیچھے چل پڑو اور اپنے رب کے ساتھ یہ حسن ظن رکھتے ہوئے چلو کہ اللہ رب العزت ان اکابر ومشائخ کے حق میں ''عاقبۃ حسنۃ'' ہی کا فیصلہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ جو برتاؤ ان اکابر امت کے ساتھ فرمائیں گے، ہمیں بھی وہی منظور ہے۔ یقیناً وہ ذریت، سعادت مند ذریت شمار ہوتی ہے جو اپنے نیکوکار پیشرووں کے ساتھ ''الحاق'' کی نسبت پاجائے۔ ربنا توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین۔

ٹی وی چینلوں کا ’’رنگین اسلام‘‘

مولانا محمد عمر انور

کسی مفکر کا کہنا ہے کہ ’’پروپیگنڈا ذہین لوگوں پر احمقانہ تأثرات ڈالنے کا نام ہے‘‘، بہ الفاظ دیگر پروپیگنڈا محض جھوٹ اور فریب ہے جو کہ عصر حاضر میں سب سے اہم ہتھیار کے طور پر استعمال ہورہا ہے، پروپیگنڈے کا اصول یہی ہے کہ بات اس طرح کہی جائے کہ پروپیگنڈا، پروپیگنڈا محسوس نہ ہو، ذرائع ابلاغ میں اس ہتھیار کا استعمال دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر ہوا جب برطانوی فوج نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا تو امریکی ذرائع ابلاغ نے فتح کا سہرا برطانوی فوج کے سر باندھنے کے بجائے امریکی افواج کے سر باندھا اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ انہی کی بدولت یورپ نازیوں سے محفوظ رہ سکا ہے، یہ پروپیگنڈا اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ یورپی عوام کو یہ یقین ہوگیا کہ امریکہ ان کے لیے کسی مسیحا سے کم نہیں، اس وقت سے لے کر آج تک ذرائع ابلاغ اس مؤثر ہتھیار کو کسی نہ کسی شکل میں مستقل استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، عالمی ذرائع ابلاغ خالص یہودی میڈیا ہے جو ارب پتی یہودی تاجروں کے زیر اثر ہے اور یہودی کمیونٹی کا سب سے بڑا ہتھیار سمجھا جاتا ہے حتی کہ عالمی حالات پر اس کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ ہر مشہور لیڈر یہودی میڈیا کی خوشامد کرتا نظر آتا ہے، دراصل اس کے ذریعے یہودیوں نے اپنے دانشوروں کے ’’پروٹوکولز‘‘ کو عملی جامہ پہنایا ہے، ’’یہودی پروٹوکولز‘‘ کے بارہویں باب میں درج ہے کہ ’’ہماری منظوری کے بغیر کوئی ادنی سے ادنی خبر کسی سماج تک نہیں پہنچ سکتی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہم یہودیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ خبر رساں ایجنسیاں قائم کریں جن کا بنیادی کام ساری دنیا کے گوشے گوشے سے خبروں کا جمع کرنا ہو، اس صورت میں ہم اس بات کی ضمانت حاصل کرسکتے ہیں کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی خبر شائع نہ ہو‘‘۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں ذرائع ابلاغ کا جو اہم کردار ہے وہ کسی ذی شعور سے مخفی نہیں، اگر غور کریں

تو دور حاضر کی بظاہر تمام ترقی وخوشحالی، سائنسی ایجادات اور تحقیقات کا ادراک انہی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے، سیٹلائٹ کی ایجاد نے پوری دنیا کو سمیٹ کر ایک محلے کی طرح کر دیا ہے، دنیا کے کسی بھی حصے میں ہونے والے تمام واقعات ٹیلی وژن سکرین پر دیکھے جا سکتے ہیں، ذرائع ابلاغ نے معلومات اور آگہی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے، اسی کے ذریعے کثرت معلومات کا فتنہ تیزی سے پھلتا پھولتا جا رہا ہے، عالمی آگہی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں کوئی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا ہے تو ہر شخص اس سے واقف ہوتا ہے، یہ ذرائع ابلاغ کا کمال ہے کہ اب کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی۔

ذرائع ابلاغ کی افادیت مسلم ہے لیکن اس کے منفی پہلو بھی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور وہ مخصوص مفادات کے حصول کے لیے ان کا استعمال نیز تشہیر کے لیے جو اشتہار دیے جاتے ہیں وہ اکثر مبالغے پر مبنی ہوتے ہیں اور مارکیٹنگ کے لیے جو نفسیاتی حربے استعمال کیے جاتے ہیں وہ مخصوص گروہوں کے مفادات کے لیے ہوتے ہیں اور عام آدمی کو اس سے نقصان پہنچتا ہے، پھر قومی وبین الاقوامی ایجنسیاں انہیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہیں، حکومتیں اور بین الاقوامی طاقتیں اپنی عوام کو مطیع رکھنے کے لیے گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعے ایک خاص نقطہ نظر پروان چڑھاتی ہیں اور رائے عامہ کو متاثر کرنے یا زیادہ دکھانے کے لیے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جاتا ہے، عوام کی برین واشنگ کے لیے میڈیا ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، نائن الیون کے حادثے کے بعد عالمی ذرائع ابلاغ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس قدر غلیظ مہم چلائی ہے اس سے مسلمانوں کے تشخص کو بڑا نقصان پہنچا ہے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ذرائع ابلاغ کو فحاشی، عریانی اور بداخلاقی پھیلانے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے جو معاشرے کی عمومی اخلاقی فضا کو تباہ کرنے کا ایک مہلک طریقہ ہے، دنیا کی طاقتور لابیاں اپنے مقاصد کے لیے ذرائع ابلاغ کو ڈھٹائی سے استعمال کر رہی ہیں اور اپنے اہداف ومقاصد کے حصول میں کامیاب ہیں، خلاصہ یہ کہ آج میڈیا اس پوزیشن میں ہے کہ وہ پوری دنیا کو جس نہج پر اور جس سمت میں لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے، لوگ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر میڈیا کے ذریعے پھیلائی ہوئی باتوں کو بسر وچشم قبول کر لیتے ہیں، گویا میڈیا واضح الفاظ میں دن کو رات، سفید کو سیاہ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ذرائع ابلاغ کی اس اہمیت کو دیکھتے ہوئے اکثر لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ علماء کو میڈیا بالخصوص ٹی وی چینل پر آ جانا چاہیے اور اسلام کے متعلق جو شکوک وشبہات اور پروپیگنڈے کیے جا رہے ہیں اس کا دفاع ٹی وی چینل پہ آ کر کرنا از حد ضروری ہے اور اس طرح صحیح اسلامی عقائد، نظریات اور افکار کی تبلیغ بھی خود بخود ہو جائے گی، اس ضمن میں وہ یہ دلیل دیتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں کہ ''شدت پسند علماء'' ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد ضرور مان جائیں گے جس طرح لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں علماء نے شروع میں اختلاف

کیا اور نہ مانا لیکن پھر کچھ عرصے بعد خود ہی زور وشور سے اس کا استعمال شروع فرما دیا، لیکن یہ کہنے والے ٹی وی کی خرابیوں، مفسدات اور مہلکات سے شاید اپنی نظریں چرا لیتے ہیں، میڈیا خصوصاً ٹی وی چینل پہ آکر اسلام کی خدمت کسی طور ممکن نہیں، ہاں! البتہ اسلام اور مسلمانوں کی توہین وتضحیک ضرور ممکن ہے۔

میڈیا اسلام اور مسلمانوں کا خیرخواہ کبھی نہیں ہوسکتا، ایک چینل کے تیئس گھنٹے تو عریانی، فحاشی وگمراہی کے لیے مخصوص ہوا اور ایک گھنٹہ ''اسلام'' کے لیے، میڈیا کے ذریعے جو حضرات اسلام کی تبلیغ وترویج چاہتے ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی کچرے کے ڈھیر پر عنبر وعود جیسی خوشبو رکھ دی جائیں اور وہاں سے گذرنے والوں کے بارے میں امید کی جائے کہ وہ اس کچرے کنڈی میں رکھی خوشبو سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے، ٹی وی چینل کا ''رنگین اسلام'' اس وقت مسلمان اور خاص طور پر غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق تشویش کا باعث بن رہا ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک مسئلہ کسی چینل پر فرض بتایا جاتا ہے، دوسرے چینل پر اس کو بدعت کہتے ہیں اور تیسرا چینل اس کو سنت ثابت کررہا ہوتا ہے، ذرا سوچیے! ٹی وی دیکھنے والا ایک سادہ لوح آدمی اس سے اسلام کے متعلق کیا انتشار کا شکار نہیں ہوگا؟!

پھر ٹی وی پر اسلام کے متعلق مذاکروں میں ہر خاص وعام کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ آکر جس طرح چاہیں اسلام کو تختۂ مشق بنائیں اور ان نام نہاد ''اسلامی اسکالرز'' میں عالم غیر عالم کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی اور اس کے ذریعے لوگوں کو لاشعوری طور پر یہ پیغام دینا بھی مقصود ہوتا ہے کہ ہر راہ چلتا پھرتا شخص اپنے تفہیم دین کے پرچار کا ''فطری حق'' رکھتا ہے اور یہ نازک اور اہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا صرف ''ملاؤں'' ہی کی ٹھیکیداری نہیں ہے۔

اور اگر کسی ٹی وی چینل کے مذاکرے میں کسی صحیح اور مستند عالم دین کو بلا بھی لیا جائے تو اس کے بلانے سے دین کی صحیح رہنمائی مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کو بلا کر دیگر لادین اور ملحد شرکاء کے اسلام کے متعلق ایسے فتنہ پرور سوالات واعتراضات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جنہیں سن کر کان ہی پکڑے جاسکتے ہیں، فارسی ادب کی سدابہار کتاب ''گلستان'' کے چوتھے باب میں شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک عالم کا ایک ملحد کے ساتھ مناظرہ ہوگیا عالم نے اس بے دین کے سامنے ہار مان لی اور پیچھے ہٹ گیا، کسی نے اس عالم سے پوچھا کہ جناب باوجود آپ علم وفضل رکھنے کے ایک ملحد سے مناظرے میں ہار گئے اور اس پر دلائل کے ذریعے قابو نہ پاسکے؟ عالم نے جواب دیا کہ میرا علم تو قرآن، حدیث اور فقہاء ومشائخ کے اقوال ہیں وہ ملحد ان سے عقیدت ہی نہیں رکھتا تو مجھے اس کا کفر سننا کس کام آئیگا؟ بس اسی لیے میں نے ہار ماننے میں ہی عافیت جانی:

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی
آنست جوابش کہ جوابش ندہی

چنانچہ بارہا یہ بھی دیکھا گیا کہ مستند علماء سے ایسے سوالات کیے جاتے ہیں جن سے مقصد اس سوال

میں پوشیدہ فتنہ کی نشر واشاعت ہو جس کے نتیجے میں دیکھنے والی عوام اس عالم کے جواب کی طرف تو غور نہیں کرتی اور اس فتنہ پرور سوال پر خود ان کے دل ودماغ میں اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور ہوتے ہوتے اس سوال کی بازگشت زبان زد عام ہوجاتی ہے۔

ایک اور اہم چیز جو محسوس کی گئی کہ ان مواصلاتی اسلامی مذاکروں کے شروع ہوجانے سے عام آدمی بھی بلاسوچے سمجھے اسلام کے نازک اور دقیق مباحث کے بارے میں اپنی فہم اور سوچ کے بیان کرنے میں جری ہوگیا ہے جبکہ اس سے قبل عام لوگ اس قسم کے مسائل میں دخل اندازی نہیں کرسکتے تھے، اور ان پروگراموں کی ''قابل قدر خدمت'' یہ ہے کہ دین کے مسلمہ اور متفقہ مسائل کو موضوع بحث بنا کر اس کو اختلافی بنایا جائے، مکالمہ یا تقریب بین المذاہب کے نام پر وحدت ادیان کو فروغ دیا جائے، فکری اور نظریاتی گمراہیوں کو عقلی بنیادوں پر پھیلایا جائے، اسلام کی تشریح وتعبیر عرب جاہلیت کے دور اور زمانے کے ساتھ مخصوص کی جائے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ میڈیا کے ذریعے اسلام کی صحیح خدمت یا کم از کم دفاعی خدمت ممکن ہے تو یہ بات بھی غور کی محتاج ہے کہ نائن الیون کے بعد سے عالمی میڈیا نے اسلام کی بنیادوں پر جو رکیک حملے کیے ان کا اب تک کتنا دفاع ہوسکا؟ پھر آج سے پندرہ سال پیچھے لوٹ کر دیکھیے جب کیبل، ڈش اور چینلز کی بھرمار نہ تھی تب ہمارے معاشرے کے حالات کیسے تھے اور آج جب کہ میڈیا کا ہر چینل بزعم خود اسلام کی خدمت انجام دے رہا ہے تو اخلاقی گراوٹ، فحاشی وعریانی کا ایک سیلاب ہے جو امنڈتا چلا آرہا ہے، اور جب سمجھ دار اور باشعور عوام یا علماء کی طرف سے اس فحاشی وعریانی کے خلاف احتجاج کیا جائے تو ان کا یہ ردعمل پہلے سے موجود خانوں میں ''فٹ'' کردیا جاتا ہے کہ مذہبی عناصر ہمیشہ یہی رونا روتے رہتے ہیں حالانکہ اب عریانی وفحاشی کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہا بلکہ یہ عالمگیریت (گلوبلائزیشن) کا اہم جز ہے اور ابلاغ کے تمام ذرائع بالخصوص ٹیلی وژن اب معاشرے کی تشکیل نو کے لیے استعمال ہورہے ہیں، پھر یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ اب تو عریانی وفحاشی زندگی کا معمول بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ حکومت نے اس فتنے کو گھر گھر پھیلانے کے لیے کیبل سسٹم شروع کردیا، پہلے ڈش ہوا کرتا تھا، لینے والا آدمی ڈرتا تھا کہ گھر کی چھت پر اس منحوس چھتری کو کیوں رکھا جائے؟ یا کسی کی جیب گنجائش نہیں دیتی تھی کہ وہ ڈش خریدے، حکومت نے آسانی کردی کہ گھر گھر بستی بستی کیبل سسٹم پھیلا دیا کہ صرف چند روپوں میں مہینے بھر کی عیاشی کو آسان بنادیا اور دیکھا جائے تو یہ وہ واحد عیاشی ہے جس میں امیر وغریب برابر کے شریک ہیں، اور تو اور بعض چینلز پر ہم جنس پرستی کے جواز اور نفاذ سے متعلق پروگرام پیش کیے جارہے ہیں اور اس کے لیے جو دلائل پیش کیے گئے وہ خالص کفر والحاد پر مبنی جن کو نقل کرنے کی راقم یہاں سکت نہیں رکھتا، علماء سے عقیدت ومحبت رکھنے والی سادہ لوح عوام اس دھوکے میں آکر کہ فلاں عالم ومفتی کا فلاں چینل پر دینی پروگرام آتا

ہے یا حالات حاضرہ سے واقفیت کو اپنی اشد ضرورت سمجھتے ہوئے وہ بھی اپنے گھر میں ٹیلی ویژن لے آتا ہے اور پھر اس مختصر سے دورانیے کے ''دینی پروگرام'' کو ''عبادت'' سمجھتے ہوئے دیکھتا ہے، اور بقیہ تمام مشاہد ومناظر کو ''ذہنی تفریح'' کے نام سے موسوم کر دیتا ہے۔

بہت سارے مسلمان بھائیوں کو یہ غلط فہمی بھی ہو چلی ہے کہ اب عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان میڈیا وار (ذرائع ابلاغ کی جنگ) ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو واقعی یہ مسلمانوں کو ''میڈیا (ذرائع ابلاغ)'' کے جال میں پھانسنے کی جنگ ہے اور مغرب اس سازش میں بدستور اور بآسانی کامیابیاں سمیٹتا جا رہا ہے اور مسلمان دن بدن میڈیا کے شکنجے میں کستے چلے جا رہے ہیں، اس پس منظر میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کیمرہ کی تصاویر کو بعض حضرات کے نزدیک اب تصویر کے حکم میں نہیں مانا جا رہا ہے، حالانکہ یہ سائنسی ترقی کا زمانہ ہے، کل تک تصویر ہاتھوں سے نقش ونگار کے ذریعے بنائی جاتی تھی، پھر اس کی ترقی یافتہ صورت کیمرہ فلم اور ریل پرنٹ کی شکل میں نمودار ہوئی وہ بھی تصویر کہلائی جاتی تھی اور علماء کے نزدیک وہ بھی بالاتفاق تصویر ہی کے حکم میں تھی، اب اکیسویں صدی کے اس فیصلہ کن موڑ پر تصویر کی نئی ترقی یافتہ شکل ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ہے بلکہ اب تو موبائل سے لے کر ٹیلی ویژن اسکرین تک تمام تصاویر اور ویڈیو ڈیجیٹل ہو چکی ہیں کیا یہ بھی تصویر کے حکم میں شامل نہیں ہیں؟ پھر اس کے بعد تصویر کی جو شکل سائنس دانوں نے مستقبل میں پیش کی ہے وہ لیزر ٹیکنالوجی ہے کہ تمام تصاویر، فلم اور ٹیلی ویژن فضا میں دکھائی دیں گے جن کو ہاتھ سے محسوس نہیں کیا جا سکے گا اور جن کا کوئی جسمانی وجود بظاہر نہ ہوگا، یہ تصویر کا محض سائنسی ارتقاء ہے، جس سے اس کے شرعی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

مندرجہ بالا ''شدت پسندانہ'' حقائق کے جواب میں فوری طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پھر اس کا متبادل کیا ہے؟ اس کا سادہ اور آسان سا جواب یہی ہے کہ ان ''فتنوں'' کے متبادل راستے تلاش کرنے کے بجائے اسلاف اور اکابر کے راستوں کو اختیار کیا جائے، دین اسلام کی حفاظت اور دفاع کو ان ''رنگینیوں'' کا محتاج نہ سمجھا جائے اور نہ ہی دین کی حفاظت اور دفاع کی آڑ میں ''اباحیت پسندی'' کے فلسفے کو اپنایا جائے، اگر امت کا ایک بڑا طبقہ کسی حرام میں صریح مبتلا ہو تو اس کا خیر خواہانہ حل یہ نہیں کہ اس حرام کا کوئی متبادل تلاش کیا جائے بلکہ عوام کو اس حرام سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ عوام کو اس کبیرہ گناہ سے بچایا جائے ان کی اصلاح کی جائے کیونکہ متبادل کے اس اجتہادانہ استنباط کی صورت میں عوام حرام کو بھی حلال سمجھ بیٹھتی ہے، علماء کی شان، وقار اور بہتری اسی میں ہے کہ وہ میڈیا خصوصاً ٹی وی چینل کے اس گندے تالاب سے اپنے آپ کو دور رکھیں جہاں دین کی ہر خدمت سراب ہے، جہاں ہر کھرے کو کھوٹے کے ساتھ تولا جا رہا ہے جہاں حق کو باطل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

علمائے کرام کو ”مولانا“ کہنا!

مولانا محمد اعجاز

عوام کو دین سے بدظن کرنے‘ اہل دین سے دور کرنے‘ دینی شعائر کی عظمت گرانے اور دینی اصطلاحات کو مٹانے‘ علماء دین کو بدنام کرنے‘ انہیں بے وقعت کرنے اور ان کے بارے میں عوام الناس میں نفرت پیدا کرنے کے علاوہ عوام الناس کو ذہنی اور فکری انتشار میں مبتلا کرنے‘ اصلاح کے نام پر فساد برپا کرنے‘ اتفاق واتحاد کے عنوان سے افتراق واختلاف کا بیج بونے کی غرض سے‘ دین اور اہل دین سے بیزار ومنحرف ایک طبقہ جو بزعم خویش محقق بھی ہے‘ آئے دن اپنی جدید اور نئی تحقیقات سے عوام کو روشناس کراتا رہتا ہے۔

جو چشم بددور! عہد نبوت‘ عہد صحابہؓ اور عہد تابعینؒ سے لے کر پورے تواتر کے ساتھ علم وعمل کی راہ پر چلنے والی جماعت اور کتاب وسنت کی متواتر تحقیقات کو اپنانے والے طائفہ منصورہ کو تقلیدی شرک‘ جہالت‘ رجعت پسندی‘ دقیانوسیت‘ ذہنی غلامی‘ تقلیدی ذہن‘ ذہنی جمود‘ ملائیت‘ ملّا ازم اور فرسودہ خیالات وغیرہ کا مکروہ عنوان دیتا ہے بلکہ اس متواتر تحقیق پر پختگی سے عمل پیرا ہونے کو بنیاد پرستی‘ انتہا پسندی‘ تنگ ظرفی‘ ضد اور تعصب وغیرہ کا طعنہ دیا جاتا ہے اور تاریخ اسلام کے تابناک ماضی اور سنہری دور یعنی زمانہ خیر القرون کو دورِ تاریکی قرار دیا جاتا ہے‘ اور جہالت ثانیہ کے اپنے اس تاریک دور کو علم وروشنی کا دور قرار دے کر اسلاف کی تحقیقات وتشریحات سے نفرت وبیزاری اور سرکشی وبغاوت کا ذہن پیدا کر کے باغیانہ‘ متکبرانہ اور گستاخانہ ذہن اور اندازِ فکر پیدا کیا جاتا ہے‘ اور اس قدر خودرائی‘ انانیت اور غرور وتکبر بھر دیا جاتا ہے کہ پھر ان کو اپنے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ سمیت بڑے بڑے محققین علماء سلف صالحین‘ ماہرین شریعت ہیچ نظر آتے ہیں‘ اس لئے وہ ان پر اعتماد کرنے کی بجائے ان کی کامل تحقیق کو اپنی ناقص جاہلانہ‘ طفلانہ‘ بلکہ مجنونانہ تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنا اور پرکھ کر ان کے علم وتحقیق پر تنقید ونکتہ چینی کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں‘ اس قسم کے جدید یئے کسی نہ کسی رنگ میں ہر جگہ موجود ہیں‘ جو ایک خاص انداز سے اپنی جدید تحقیقات کے پردہ میں خبث باطن کا تعفن پھیلا رہے ہیں۔

کبھی اہل قرآن کے نام پر‘ قرآن کریم سے اعراض‘ کبھی اہل حدیث کے نام پر احادیث صحیحہ کا انکار‘ کبھی اہل بیت سے محبت کے نام پر صحابہ کرام واہل بیت سے بغض کا اظہار اور کبھی فقہاً واولیاً کرام سے عقیدت واتباع کے نام پر ان کی تعلیمات سے انحراف‘ اسلامی اخلاق وتہذیب کا انکار اور اس کے مقابلہ میں مغربی تہذیب کا پرچار‘ یہ

سب کچھ مشاہدہ میں آ تا رہتا ہے۔

ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ عوام کا جو اعتقاد و اعتماد' دین اور اہل دین پر قائم ہے' جو کہ بڑی کوششوں' محنتوں اور قربانیوں کے بعد قائم ہوا ہے' کسی طرح اسے متزلزل کیا جائے' اس کے بعد اگلی کوشش میں اسے یکسر نیست و نابود کر دیا جائے۔

کبھی حفظ قرآن کو طوطے کی رٹ' کبھی احادیث صحیحہ کو غیر معتبر' کبھی فقہاء کرام کی تقلید کو حرام' کبھی علماء کرام کی بات ماننے کو احبار و رہبان کی عقیدت و محبت میں گرفتار کہہ کر ان سب چیزوں کی عظمت و اہمیت کم کرنے' بلکہ یکسر ختم کرنے کی جہد مسلسل کی جارہی ہے' اگر ایسے محققین کی تحقیقات' ان کی سوچ اور ان کے نظریات کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کب کا مٹ چکا ہے' اور اسلام کی عملی تصویر و نمونہ کہیں بھی موجود نہیں۔

انہیں جدید محققین میں سے ایک نام پروفیسر ہارون الرشید کا ہے' جنہوں نے اپنی کتاب ''اردو کا دینی ادب'' کے دیباچہ میں بڑے غصہ اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں لکھا ہے:

> ''اس کتاب میں کسی عالم کے لئے ''مولانا'' کا لقب استعمال نہیں کیا گیا' (اقتباس کی بات دوسری ہے) اس لئے کہ اللہ ہی ہمارا مولا ہے' کوئی مخلوق اس لقب کی مستحق نہیں' قرآن کا ارشاد ہے: ''ان اللہ مولا کم نعم المولیٰ ونعم النصیر'' (یقیناً اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے) اس کے برخلاف اللہ کی پناہ! ہم نے ہزاروں ''مولا'' اور ''مولانا'' بنالیئے ہیں' علماء کو ''مولانا'' کہنے اور لکھنے کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہئے......الخ۔''

موصوف کی اس ''تحقیق جدید'' سے پہلے چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا:

ا:...... ہر علاقہ' قوم' ادارے اور علم وفن میں کچھ خاص خاص اصطلاحات ہوتی ہیں جن سے ہر ایک کی شناخت بحیثیت عہدہ' منصب اور فضل و کمال ہوتی ہے' ایک فوجی ادارہ کو لے لیجئے' سپاہی سے لے کر آرمی چیف تک کتنے' عہدے' رینک یا مناصب ہیں کہ ہر ایک کے علیحدہ نام ہیں' یہاں تک کہ ہر ایک کا یونیفارم/ وردی بھی مختلف ہے' اسی طرح کسی بھی ادارہ کو لے لیجئے' جب ایسے اداروں یا کسی بھی شعبہ سے وابستہ ماہرین کی بحیثیت عہدہ ان کی اس خاص اصطلاح اور پہچان پر اعتراض نہیں تو علماء کے لئے ''مولانا'' کی خاص اصطلاح پر اتنی جھنجھلاہٹ اور پریشانی کیوں ہے؟

یا مثلاً: آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا لفظ مخصوص ہونا' دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ''علیہ السلام'' صحابہ کرامؓ کے لئے ''رضی اللہ عنہم'' اولیاء اللہ کے لئے ''رحمہم اللہ تعالیٰ'' اور عام مسلمانوں کے لئے ''مرحومین'' کہا جاتا ہے' قرآن و حدیث میں ان مقدس و مطہر اور برگزیدہ شخصیات کے لئے کہیں ان القابات کا ذکر نہیں' تو کیا یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ چونکہ قرآن و حدیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں' لہٰذا ان عظیم شخصیات کے لئے ''صلی اللہ علیہ وسلم' علیہ السلام' رضی اللہ عنہم' رحمہم اللہ تعالیٰ' یا مرحومین'' کہنا جائز

نہیں، بلکہ گناہ اور شرک ہے؟

۲:...... عربی ادب اور لغت عربی کے ماہرین جانتے ہیں کہ عربی زبان میں بکثرت ایسا آیا ہے کہ ایک ہی لفظ ہوتا ہے، لیکن مختلف استعمالات میں اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ اس کا معنی ایک ہے، دوسری جگہ اس کا معنی اس سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لئے ''رؤف رحیم'' آیا ہے اور یہی لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

''لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم'' (التوبہ:۱۲۸)

ترجمہ: ''آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت شفیق ومہربان ہے۔''

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس معنی میں رؤف ورحیم ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں رؤف ورحیم نہیں ہیں، لیکن یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ''مالک'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے، اور یہی لفظ جہنم کے نگران فرشتہ کے لئے بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

''ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک'' (الزخرف:۷۷)

ترجمہ:۔''اور وہ پکاریں گے اے مالک! تا کہ فیصلہ کرے ہمارے بارے میں تیرا رب۔''

۳:...... اسی طرح قرآن وحدیث اور لغت عرب میں ''مولیٰ'' کے بھی کئی معنی آئے ہیں: رب، مالک، مددگار، کارساز، آقا، سردار، آزاد کرنے والا، غلام، آزاد کردہ غلام اور دوست وغیرہ۔

۴:...... لغت عرب کے لحاظ سے لفظ ''مولا'' ادنیٰ اور اعلیٰ دنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن ہمارے عرف میں دین دار عوام، مشائخ اور اکابرین اسلام نے دین وشریعت کا علم حاصل کرنے والوں کی عزت واحترام کے لئے اس لفظ کو علماء دین کے لئے اتنی کثرت سے استعمال کیا ہے کہ اب یہ لفظ ان کی پہچان اور قریب قریب ان کے لئے مختص ہوگیا ہے، حتیٰ کہ جب بھی ''مولانا'' کا لفظ کہا جاتا ہے تو ایک عامی آدمی کا ذہن بھی فوراً اس طرف جاتا ہے کہ یہ شخص قرآن وحدیث، فقہ اور ان سے متعلقہ علوم کا ماہر یا ان کو جاننے والا عالم دین ہی ہوگا۔

چونکہ ایسے دین بیزار طبقہ کا مقصد قرآن کو سمجھنا اور اپنے آپ کو قرآن کے تابع بنانا نہیں ہوتا بلکہ ان کا منشور دین کے مسلمہ اصولوں سے انحراف اور الحاد ہوتا ہے، چاہے انہیں اس کے لئے قرآن کریم میں تحریف وتلبیس کرنا پڑے یا ایک آیت کو اپنا کر قرآن کریم کی دوسری آیات سے اعراض وانکار کرنا پڑے، یہ لوگ اس سے بھی دریغ نہیں

کرتے، حالانکہ مفسرین کا اصول ہے کہ: ''القرآن یفسر بعضه بعضاً'' کہ قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء کرام عربی گرامر کے اصول وقواعد کی روشنی میں ہر لفظ کا معنی، مفہوم اور مصداق وہی متعین کرتے ہیں جو اس مقام کے مناسب ہوتا ہے۔

بے شک حقیقی مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور کمال ولایت اسی کو زیبا ہے، جس معنی میں اللہ تعالیٰ کو ''مولیٰ'' کہا جاتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو ''مولیٰ'' یا ''مولانا'' کہنا جائز نہیں، لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے غیر اللہ کو مولیٰ کہنا جائز ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے: مثلاً: قرآن کریم میں ارشاد ہے:

۱:۔ ''ولکل جعلنا موالی مماترک الوالدان والاقربون۔ (النساء:۳۳)

ترجمہ:۔ ''اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مرے ماں باپ اور قرابت والے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے میت کے ورثاء کو ''موالی'' فرمایا ہے، جو ''مولیٰ'' کی جمع ہے۔

۲:۔ ''وضرب الله مثلاً رجلین احدهما ابکم لایقدر علیٰ شئی وهو کل علی مولاه اینما یوجهه لایأت بخیر۔'' (النحل:۷۶)

ترجمہ:۔ ''اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا، کچھ کام نہیں کر سکتا اور وہ بھاری اپنے صاحب پر، جس طرف اس کو بھیجے نہ کر کے لائے کچھ بھلائی۔''

اس آیت میں غلام کے مالک کو ''مولیٰ'' کہا گیا ہے۔

۳:۔ ''انی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً۔'' (مریم:۵)

ترجمہ:۔ ''اور میں ڈرتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے۔''

اس آیت میں اپنے قرابت داروں کو ''موالی'' کہا گیا ہے جو ''مولیٰ'' کی جمع ہے۔

۴:۔ ''فان لم تعلموا آباء هم فاخوانکم فی الدین وموالیکم۔'' (الاحزاب:۵)

ترجمہ:۔ ''پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں۔''

اس آیت میں وہ مسلمان بھائی جن کے والد کا علم نہیں، ان کو مولیٰ یعنی دوست کہہ کر بلانے کا حکم ہے۔

۵:۔ ''مأواکم النار هی مولاکم وبئس المصیر۔'' (الحدید:۱۵)

ترجمہ:۔ ''تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری اور بُری جگہ جا پہنچے۔''

اس آیت میں کافروں سے کہا گیا کہ دوزخ کی آگ تمہارا ''مولیٰ'' یعنی رفیق ہے۔

۶:۔ ''فان الله هو مولاه وجبریل وصالح المومنین، والملائکة بعد ذالک ظهیر۔'' (التحریم:۴)

ترجمہ:۔ ''تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے اور فرشتے اس کے

پیچھے مددگار ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ' حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کو پیغمبر اسلام کا مولیٰ یعنی دوست فرمایا گیا ہے' ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو مولاٰ' یا مولانا کہنا صحیح اور درست ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو''مولا'' اور ''مولانا'' فرمایا ہے' جیسا کہ کئی احادیث مبارکہ اس پر شاہد ہیں:

۱:۔''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مولی القوم من انفسھم۔''

(بخاری' ج:۲' ص:۱۰۶۴)

ترجمہ:۔''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم کا آزاد کردہ غلام اسی قوم کا شمار ہوگا۔''

اس حدیث میں قوم کے آزاد کردہ غلام کو''مولیٰ'' کہا گیا ہے۔

۲:۔''کان سالم مولی ابی حذیفةؓ یؤم المهاجرین الاولین واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔'' (ایضاً)

ترجمہ:''سالم جو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے' مہاجرین اولین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی امامت کراتے تھے۔''

اس حدیث میں صحابہ کرامؓ نے حضرت سالمؓ کو''مولیٰ ابی حذیفہ'' کہا ہے۔

۳:۔امام بخاریؒ نے باب مناقب بلال ابن رباح مولی ابی بکر کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔ (بخاری' ج:۱' ص:۵۳۰)

۴:۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو فرمایا:''انت اخونا ومولانا۔''(بخاری ج:۱' ص:۵۲۸) یعنی آپ ہمارے بھائی اور آزاد کردہ غلام ہیں۔

ان تمام آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے صراحتاً یہ ثابت ہوا کہ اگر چہ حقیقی''مولیٰ'' تو صرف اللہ تعالیٰ ہے' وہی کامل واکمل مولیٰ ہے' لیکن اس کے باوجود قرآن وحدیث میں مولیٰ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں پر بھی کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے اللہ کے علاوہ دوسروں کو''مولانا'' کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے' لیکن خواہش پرستی اور انانیت کی انتہاد یکھئے کہ یہ لوگ باغیانہ' متکبرانہ اور گستاخانہ ذہن اور انداز فکر کی بنا پر قرآن و حدیث کو جھٹلا رہے ہیں' اجماع امت کو چھوڑ رہے ہیں' مگر اپنی جہالت' خودرائی' سرکشی' نفس پرستی اور خواہش پرستی پر اڑے اور ڈٹے ہوئے ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

غیر عالم دین کا درسِ قرآن دینا

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ:

میں بہادر آباد محلّہ کا رہائشی ہوں اور اس کی مرکزی مسجد ''........'' کا نمازی ہوں مسجد اور اس کے نمازی دیو بند مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں' اہل محلّہ اور نمازیوں کی دینی تربیت کے پیش نظر مسجد میں ہفتہ وار مختلف علمائے کرام کے درس ہوتے ہیں' جن سے ہمیں بے حد دینی فائدہ محسوس ہوتا ہے' ماہِ مبارک میں یہاں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کسی معتمد اور مستند عالم دین کو بلا کر ان سے درسِ قرآن دلوایا جاتا ہے' چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب استاذ حدیث جامعہ عثمانیہ بھی تشریف لا چکے ہیں' امسال انتہائی حیرت انگیز طور پر ''تنظیم اسلامی'' مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب کو........ درسِ قرآن کے لئے بلایا گیا اور تاحال ان کا درس جاری ہے۔ بندہ اور اس کے ہم فکر دینی درد رکھنے والے بہت سے نمازیوں کو اس بارے میں سخت تشویش اور ذہنی پریشانی کا سامنا ہے۔ مذکورہ بالا صورت کے تناظر میں آنجناب سے ان چند امور سے متعلق وضاحت مطلوب ہے:

۱- ایک غیر عالم اور مزید یہ کہ تنظیم اسلامی کے نظریات کے حامل شخص کو مسجد کے منبر پر درس قرآن کے منصب پر فائز کرنا شرعی نقطۂ نگاہ سے کیا حکم رکھتا ہے' جبکہ تفسیر قرآن کی اہمیت ونزاکت کی بناپر متعدد علوم پر دسترس ہونا مفسر کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے؟

۲- اس علاقے میں بیسیوں علمائے کرام کے ہوتے ہوئے موصوف کو درس کے لئے منتخب کرنا کیا علم دین کی ناقدری میں شمار نہیں ہوگا؟

۳- درس قرآن کی اہلیت کا اصل معیار کیا ہے؟ براہ مہربانی وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

۴- موجودہ حالات میں... جبکہ یہ درس قرآن کے تقدس اور مسلک دیو بند کے تحفظ کا مسئلہ ہے اور اس سلسلہ کے جاری رہنے میں علاقے کی دینی اور نظریاتی فضا مسموم ہونے اور نمازیوں میں انتشار کا خدشہ بھی

ہے...ہماری شرعی ذمہ داری کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

آنجناب سے گذارش ہے کہ ان امور کے بارے میں وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرما کر عنداللہ وعندالناس ماجور ہوں۔

مستفتی: حسن شاہ

الجواب باسمہ تعالیٰ

’’درسِ قرآن‘‘ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرنے کا نام ہے اور علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی کو بیان کیا جائے‘ اس کے احکام کی حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے۔ نیز مرادِ خداوندی کو متعین کیا جائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ’’علم تفسیر‘‘ کے اس توضیحی عنوان میں علم تفسیر کی حقیقت‘ نزاکت اور اس کے حصول کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو بہت ہی مختصر اور سادہ الفاظ میں تعبیر کیا گیا ہے‘ اس عنوان کی تفصیلات اور علمی ابحاث میں جائے بغیر یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم‘ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے‘ اس کی ترجمانی اور تفصیل وتوضیح کے لئے ایسی لیاقت اور اہلیت درکار ہے‘ جو اس کلام کی عظمت کے شایانِ شان ہو‘ ورنہ معمولی لغزش غلط ترجمانی کا مرتکب بنا کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے باغیوں میں شمار کروادے گی اور تفسیر قرآن ودرس قرآن کا شوق دنیا وآخرت کی نجات وفلاح کی بجائے ہلاکت وبربادی کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر علماء کرام فرماتے ہیں اور دنیا کا عام اصول بھی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی علم وفن ایسا نہیں جو اس تک پہنچنے والے متعین راستوں اور واسطوں کے بغیر حاصل ہوتا ہو‘ یہی اصول قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے والوں کے بھی پیش نظر ہونا چاہئے‘ اگر کوئی انسان اس اصول اور ضابطہ سے ہٹ کر خدا کی کتاب کو تختۂ مشق بناتا ہے تو ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ظلم وناانصافی ہے‘ بلکہ خود انسان اپنے اوپر بھی ظلم کرنے والا بن جاتا ہے۔ اسی عظیم خطرہ کی بنا پر علماء امت کے ایک طبقہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نبوی ارشادات سے آگے کوئی بھی لفظ زبان سے نکالا ہی نہ جائے‘ کیونکہ قرآن فہمی اور قرآن بیانی میں غلطی سرزد ہونے کی بناء پر انسان ان تمام وعیدات کا مصداق بن جاتا ہے‘ جو قرآن بیانی میں اپنی رائے اور مذاق ومزاج کی آلودگی شامل کرنے والوں کی بابت وارد ہوئی ہیں‘ لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماءِ امت کی رائے کے مطابق قرآنی اعجاز کے اسرار ورموز کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ استعداد اور صلاحیت کے حاملین کے لئے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا جائز ہے اور یہ استعداد وصلاحیت علوم وفنون کی تقریباً ۱۵/ پندرہ گھاٹیاں سر کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے‘ جن میں لغت‘ صرف‘ نحو‘ اشتقاق‘ معانی‘ بیان‘ بدیع‘ قرآءات‘ اصول الدین‘ اصول فقہ‘ فقہ‘ حدیث‘ علم اسباب نزول‘ علم ناسخ ومنسوخ اور نور بصیرت ووہبی علم وغیرہ شامل ہیں۔

یہ علوم وفنون چونکہ ہمارے ہاں درسِ نظامی کے درسی نصاب میں شامل ہیں اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ درسِ قرآن دینے والے کے لئے کم از کم درسِ نظامی کا فاضل ہونا ضروری ہے' کیونکہ جس آدمی نے اپنی زندگی کے آٹھ' دس سال ان علوم وفنون کے سائے میں گزارے ہوں اسے ان علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال اور مہارت اگر حاصل نہ بھی ہو تو کچھ نہ کچھ مناسبت تو ضرور حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ درس نظامی کے فاضل کو اعجاز قرآن کے بیان کرنے میں اپنی علمی بے مائیگی کا احساس دامن گیر رہے گا اور وہ اپنی طرف سے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے اور الفاظ قرآنی میں مراد خداوندی متعین کرنے میں جاہلانہ بے باکی اور جرأت سے کم از کم محفوظ رہے گا۔

اس پر مستزاد یہ کہ مستند عالم دین جو بات اور جتنی بات کہے گا وہ سلف صالحین پر اعتماد اور استناد کی روشنی میں کہے گا اور یہ تفسیر قرآن کا اہم بنیادی اصول ہے کہ تفسیر قرآن کا بارگراں اٹھانے والا اپنی طرف سے الفاظ وتعبیرات اور مراد ومعانی منتخب کرنے کی بجائے اسلاف پر اعتماد کرتے ہوئے ان ہی کے ارشادات کو سامنے رکھے' یعنی نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال' آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے فرامین اور آراء کو تفسیر بیان کرتے ہوئے اساس وبنیاد سمجھے پھر حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرامؓ کے طرز فکر وعمل پر کاربند رہنے والے فقہاء ملت اور علماء حق کے عقائد واعمال اور اخلاق وعادات کو اپنا سرمایہ اور مأخذ سمجھے' اگر کوئی مفسر قرآن یا مدرس قرآن اس اصول سے پہلوتہی کرتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی ٹھان لے اور درس قرآن کے نام پر کتاب الٰہی کو تختۂ مشق بنائے تو ہم تک قرآن اور دین کی تشریحات پہنچانے والے واسطوں اور ذریعوں کا کہنا ہے کہ وہ ناجائز کر رہا ہے' اس کا یہ عمل' دین یا قرآن کی خدمت نہیں' بلکہ امت میں فتنہ اور گمراہی کا ذریعہ ہے پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہ مفسر یا مدرس اپنے اعمال ونظریات کی وجہ سے سلف بیزاری اور الحاد سے متہم ہو چکا ہو۔ اگر ایسے شخص کو کتاب اللہ کا مفسر بنا کر بٹھا دیا جائے اور مرادِ الٰہی کا ترجمان قرار دیا جائے تو پھر مسلمانوں کے عقائد ونظریات اور دینیات کا اللہ ہی حافظ ہے۔

چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں امام ابوطالب الطبری کے حوالہ سے مفسر کے آداب کے ضمن میں مفسر کے لئے ضروری شرائط کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

''اعلم ان من شرطه صحة الاعتقاد اولاً' ولزوم سنة الدين فان من كان مغموصاً عليه فى دينه لايؤتمن على الدنيا فكيف على الدين ثم لايؤتمن فى الدين على الاخبار عن عالم فكيف يؤتمن فى الاخبار عن اسرار الله تعالىٰ' ولانه لايؤمن ان كان متهماً بالالحاد ان يبغى الفتنة ويغر الناس بليّه وخداعه كدأب الباطنية وغلاة الرافضة... الخ''۔ (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی النوع:۷۸ ج:۲ ص:۱۷۶ ط: سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:...''جاننا چاہئے کہ مفسر کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے تو اس کا عقیدہ صحیح ہو، دوسرے وہ سنت دین کا پابند ہو، کیونکہ جو شخص دین میں مخدوش ہو، کسی دنیوی معاملہ میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو دین کے معاملے میں اس پر کیا اعتماد کیا جائے گا، پھر ایسا شخص اگر کسی عالم سے دین کے بارے میں کوئی بات نقل کرے، اس میں بھی وہ لائق اعتماد نہیں تو اسرار الٰہی کی خبر دینے میں کس طرح لائق اعتماد ہوگا، نیز ایسے شخص پر اگر الحاد کی تہمت ہو تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ تفسیر بیانی کے ذریعہ فتنہ کھڑا کردے اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی ومکاری سے گمراہ کرے، جیسا کہ فرقۂ باطنیہ اور غالی رافضیوں کا طریقہ کار ہے''۔

مزید برآں جو شخص نظریاتی وفکری طور پر زیغ وضلال کا شکار ہو، عملی اعتبار سے بدعت وکجروی اور بے راہ روی کا علمبردار ہو اور روحانی لحاظ سے تکبر وغرور، نفس پرستی اور حب جاہ وحب مال کے علاوہ نفسانی خواہشات سے دوچار ہو تو حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے بقول ایسا شخص جو تفسیر لکھے اور بیان کرے گا وہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہوگی، بلکہ اس کے بدعت آلود ذہن کا بخار اور بیمار دل کا تعفن ہوگا، ایسے فکری وروحانی مریضوں کے لئے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا یا درسِ قرآن دینا تو کجا، علماءِ تفسیر کے بقول قرآن فہمی کی کوشش کرنا بھی حرام ہے، کیونکہ ان لوگوں کی بیمار ذہنیت اور نفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ سے انہیں ہر ہر موقع پر اپنی بیماری اور نفسانیت کا عکس نظر آئے گا اور اپنے فاسد افکار وخیالات، خود ساختہ تعبیرات وتشریحات کو عوام الناس کے سامنے قرآنی طشت میں رکھ کر پیش کرے گا اور لوگ اس کی جہالت کو علم، اس کی فاسد آراء کو قرآن کی تفسیر خیال کرتے ہوئے اسے اپنا پیشوا اور مقتدیٰ کے درجہ پر بٹھالیں گے، اس طرح معاشرہ میں ضلالت وگمراہی کا طوفان برپا ہوجائے گا، چنانچہ ''الاتقان'' میں امام زرکشیؒ کی ''البرہان'' کے حوالہ سے مذکور ہے جو پورے سوالنامہ کے جواب کے لئے بھی کافی ہے:

''اعلم انہ لایحصل للناظر فہم معانی الوحی ولایظہر لہ اسرارہ وفی قلبہ بدعة او کبر او ہوی اوحب الدنیا او ہو مصر علی ذنب او غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقیق او یعتمد علی قول مفسر لیس عندہ علم او راجح الی معقولہ وہذہ کلہا حجب وموانع بعضہا آکد من بعض ... الخ''۔

(الاتقان للسیوطی، نوع: ۷۸، ج:۲، ص:۱۷۶، ط: لاہور)

ترجمہ:...''جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے پر وحی کے معانی ظاہر نہیں ہوتے اور اس پر وحی کے اسرار نہیں کھلتے، جبکہ اس کے دل میں بدعت ہو، یا تکبر ہو، یا اپنی ذاتی خواہش ہو، دنیا کی محبت ہو یا وہ گناہ پر اصرار کرنے والا ہو، یا اس کا ایمان پختہ نہ ہو یا اس میں تحقیق

کا مادہ کمزور ہو یا وہ کسی ایسے مفسر کے قول پر اعتماد کرے جو علم سے کورا ہو یا وہ قرآن کریم کی تفسیر میں عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہو یہ تمام چیزیں فہم قرآن سے حجاب اور مانع ہیں ان میں بعض دوسری بعض سے زیادہ قوی ہیں''۔

الغرض جو شخص کسی بھی طور پر یعنی علمی، عملی، فکری واعتقادی نیز دین ودیانت کے لحاظ سے قرآن کریم کی تفہیم وتشریح کا اہل اور حقدار نہ ہو اگر وہ اس منصب پر بیٹھ کر تفسیر قرآن کے نام پر رائے زنی کرے گا تو وہ نہ صرف یہ کہ حرام کا مرتکب ہوگا بلکہ ان تمام وعیدات کا مصداق و مستحق بھی ہوگا جو حضور ﷺ نے ''رائے وتخمین'' کے ذریعہ تفسیر کرنے والوں کے بارے میں فرمائی ہیں جن میں سرفہرست یہ ارشاد گرامی ہے:

''جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے''۔ (مشکوٰۃ:۳۵)

اس تفصیلی بحث سے سوالنامہ میں مذکور تمام سوالات کے جوابات تو کسی فرد ادارہ یا تنظیم کا نام لئے بغیر تقریباً آچکے ہیں تاہم اختصار کے ساتھ سوالوں کے ترتیب وار جوابات ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- کسی بھی غیر عالم بالخصوص جمہور علماء امت کے افکار ونظریات سے منحرف شخص کو مسجد کے منبر پر مدرس قرآن کے منصب پر فائز کرنا شرعی نقطۂ نگاہ سے بالکل ناجائز ہے۔

۲- مستند علماء کے ہوتے ہوئے غیر مستند آدمی کو درس کے لئے بٹھانا نہ صرف یہ کہ علم دین کی ناقدری ہے بلکہ قرآن کریم کے ساتھ زیادتی اور قرآن کی بے حرمتی بھی ہے۔

۳- درس قرآن کی اہلیت کا اصل معیار تفسیر قرآن کے علمی مأخذ کی معرفت و ممارست علمی رسوخ تام اور سلامتیٔ فکر ونظر ہے۔

۴- مذکورہ علاقہ کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ برائی کے ازالہ کے لئے اچھائی کی مقدور بھر کوشش کریں مسلمانوں کے درمیان فتنہ وانتشار کی روک تھام کے لئے ''امر بالمعروف نهی عن المنکر'' کا احسن طریقہ اختیار کرتے ہوئے اہل محلّہ مسجد کمیٹی اور علاقہ کے بااثر حضرات کی باہمی مشاورت اور فہمائش کے ساتھ مذکورہ شخص کو فوری طور پر درس قرآن کی مصروفیت سے روک دیں تاکہ فاسد افکار ونظریات کی تبلیغ وترویج کا انسداد ہو سکے اور لوگوں کے درمیان فتنہ وانتشار برپا نہ ہو نیز موصوف کی بجائے کسی مستند راسخ العقیدہ مضبوط عالم دین کو ان کی جگہ درس قرآن کے لئے مقرر کریں۔

کتبہ

رفیق احمد بالاکوٹی

الجواب صحیح

محمد عبدالمجید دین پوری

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

روضة الاحوذی اردو شرح سنن ترمذی ج: ثانی

مؤلف محمد حسین صدیقی، صفحات: ۶۱۲، قیمت: درج نہیں، ناشر: زم زم پبلشرز، کراچی۔

زیر تبصرہ کتاب سنن ترمذی ابواب الاطعمة سے ابواب الفتن تک کی احادیث کی شرح پر مشتمل ہے، سنن ترمذی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت سے نوازا ہے کہ ہر دور میں علماء کرام نے اس کتاب کی خدمت کو اپنے لئے سعادت اور اعزاز کی بات سمجھا ہے۔ فاضل مؤلف نے بھی اپنے آپ کو اس اعزاز میں شامل کرنے کے لئے یہ سعی کی ہے، **تقبل الله سعيه**۔

مؤلف نے ہر باب کے ساتھ باب کا ترجمہ، حدیث کا متن اور ترجمہ ذکر کرنے کے بعد حدیث کی مختصراً تشریح کی ہے، نیز حدیث کے رواۃ کا بھی مختصر تعارف پیش کیا ہے جو قابل ستائش ہے۔

کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور کاغذ نہایت عمدہ ہے، ترجمہ میں بعض جگہ ترجمان سے کام لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر تسامحات ہیں، مثلاً: "**باب ماجاء فی الانتباذ فی السقاء**" کا ترجمہ کیا گیا ہے، یہ باب ہے "مشکیزوں میں شراب بنانے کے بیان میں"۔

پروف کی غلطیوں نے کتاب کی افادیت کو مشکوک بنا دیا ہے، ایک قاری مطالعہ کے دوران پروف کی غلطیوں کی فہرست بنانا شروع کرے تو اچھی خاصی فہرست بن سکتی ہے، چونکہ معاملہ احادیث پر مشتمل ایک کتاب کی نشر و اشاعت کا ہے، اس لئے قاری اور ناشر دونوں کے لئے یہ کتاب تب ہی مفید ثابت ہوگی جب اس کو نظر ثانی کے بعد غلطیوں سے مبرا کر کے شائع کیا جائے۔

تحفۂ رحمانی فی تجوید قرآنی

قاری وحافظ عبد الرحمٰن رحمانی صاحب، صفحات: ۱۷۲، قیمت: درج نہیں، پتہ: مدرسہ رحمانیہ تجوید القرآن نزد بنگلہ انہار، تحصیل کہروڑپکا ضلع لودھراں۔

قرآن کریم کلامِ الٰہی ہے، اس کی ہمہ جہت کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، جو ہر دور میں مختلف انداز اور طریقوں سے ہوتی آئی ہے۔

زیر تبصرہ کتابچہ ''تحفۂ رحمانی فی تجوید قرآنی'' علوم قرآنی کی ایک شاخ یعنی تجوید وقراءات سے متعلق ہے، مؤلف موصوف نے قرآن کریم کی خدمت کو اپنے لئے سعادت اور زندگی کا مقصد بناکر اپنی زندگی اس عظیم اور مقدس کتاب الٰہی کی اشاعت کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ امت محمدیہ میں برگزیدہ وعالی مرتبت قراء اور مجودین کا علم تجوید کی خدمت واشاعت میں خصوصی امتیاز رہا ہے، یہ کتابچہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، مؤلف نے اس پیچیدہ اور مشکل فن کو نقشوں اور سوال وجواب کی صورت میں لاکر اسے بہت ہی سہل اور آسان بنادیا ہے جو دورِ حاضر کے تشنگانِ علم تجوید کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے بے حد مفید اور مشعل راہ ہے۔

اس کتابچہ کے علاوہ ''آئینۂ رحمانی فی تعارف حروف قرآنی'' مبتدی طلبہ اور قرآنی معلومات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اور رسالہ ''متشابہات القرآن'' خاص کر وہ حفاظ طلبہ جنہیں حفظ قرآن میں مشکلات پیش آتی ہیں، ان کی آسانی کے لئے تحریر کئے ہیں، البتہ آخر الذکر رسالہ میں جہاں متشابہات کی تعداد اور مقامات کا ذکر کیا ہے، وہاں ہر آیت کا نمبر بھی تحریر کردیا جاتا تو قاری کے لئے بہت ہی آسانی ہوجاتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت قاری صاحب کی اس محنت کو قبول فرماکر ان کے لئے نجاتِ آخرت اور عوام الناس کے لئے تصحیح قرآن کا ذریعہ بنائیں، تینوں رسائل ماشاء اللہ دریا بکوزہ کا مصداق ہیں۔